Ahmedabad 22.2.1910

دختر شاہم ولیکن رو بہ فقر آوردہ ام
زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النساست

حیات زیب النسا

جسمیں اس مشہور شاعرہ کی زندگی کے مکمل حالات درج ہیں

مؤلفہ

منشی محمد دین صاحب خلیق مترجم پیسہ اخبار لاہور

بفرمایش

منشی محمد عبد العزیز صاحب منیجر کارخانہ پیسہ اخبار لاہور

دوسری مرتبہ سنہ ۱۹۰۰ء میں

مطبع خادم التعلیم لاہور میں منشی محمد عبد العزیز منیجر کے اہتمام سے چھپی

ان سب کتب کے ملنے کا پتہ:- غلام قادر منیجر انڈین اردو لا بک ڈپو لاہور

دیباچہ

نذر

بخدمت
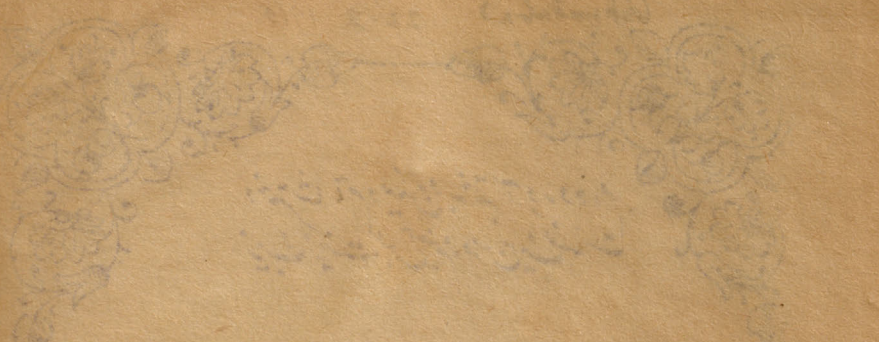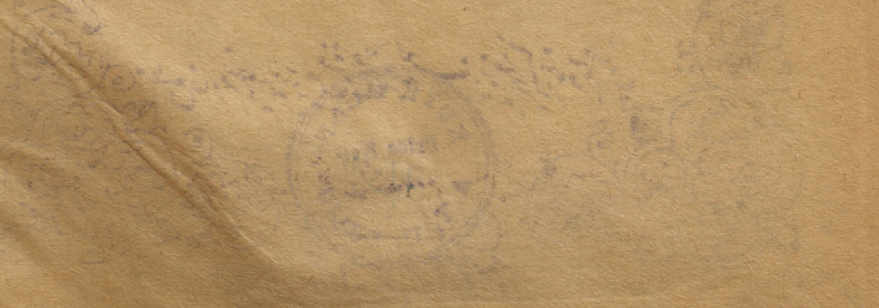
جناب مولانا مولوی محمد حسن صاحب جالندھری دام ظلکم

معظمی مکرمی

یہ تو میں بخوبی جانتا ہوں کہ اس ناچیز تالیف کو جناب کے نام نامی کے ساتھ منسوب کرنے میں کسی طرح سے جناب کے اس اعلےٰ درجے کے اعزاز اور شہرت میں جو جناب کو پہلے سے حاصل ہے کسی قسم کی ایزادی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس خیال سے کہ جناب کے نام کے ساتھ ان پریشان اوراق کی عزت ہو جائیگی۔ میں بصد عجز و نیاز اس کتاب کو جناب کے نام پر ڈیڈیکیٹ کرتا ہوں +

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاکسار محمد دین خلیق

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

دیباچہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

مسئلہ سے تمثیل کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اور سوانح عمری لکھنے کی غرض بھی یہی ہوتی ہے ہمارے ان اوراق کے ہیروائن ایک شاہزادی ہے جو مواقع اور آسائش زمانہ اُس کو حاصل تھے کون اُن تک پہنچ سکتا ہے۔ تاہم ایک ایسے کیرکٹر کا صفحات قرطاس پر زبان کے لباس میں عوام کے سامنے پیش کرنا کچھ کم اثر نہیں رکھتا۔ ایک ایسی صاحب کمال عورت کا حال جو اپنے زمانہ میں بلند پروازی اور نازک خیالی کے باعث کچھ کم رتبہ اہل علم میں نہ رکھتی تھی۔ نہ صرف زبان کے ذخیرہ واقفیت میں ازدیاد کا باعث ہے بلکہ ملک کی اخلاقی ترقی کے لئے زبردست پایہ رکھتا ہے۔

اہل مغرب اپنے مشاہیر کی جو کچھ قدر کرتے اور اُنکی کوششوں کا جو حق انصاف اُن سے ادا ہوتا ہے وہ لاریب قابل داد ہے۔ وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی قومی عزت کو اس قابلیت سے رنگ چڑھاتے ہیں کہ خواہ مخواہ پبلک سے تحسین کرا لیتے ہیں۔ برخلاف اس کے ہمارے ملک والے اپنے لوگوں کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے اور اِن سے اتنا بھی نہیں بن پڑتا کہ انکی اتنی تو قدر کریں کہ کچھ دنوں اُنکا نام زندہ رہے۔

زیب النساء بیگم جسکا نام آفتاب کی طرح روشن ہے جسکے اشعار و لطائف و

ظرائف وغیرہ اکثر شائستہ محافل اور مجالس میں سننے میں آتے ہیں۔ آج سے کوئی
دوسو سال پرے ہندوستان میں مشہور شاعرہ گزری ہے جس نے اپنی جادو بیانی
اور معجز نگاری سے ملکِ سخن پر سکہ بٹھا دیا تھا اور ہمعصروں میں عزت کی نگاہ سے
دیکھی جاتی تھی۔ سیاح جس کا کلام تحفہ کے طور پر غیر ممالک میں لے جاتے تھے اور
بڑے فخر سے سناتے تھے۔ آہ آج عوام اُس کے حالات سے ذرا بھی واقفیت نہیں
رکھتے۔ بلکہ بعض تو یہ بھی نہیں جانتے کہ تھی کون اور کس خاندان کا چراغ تھی۔

زیب النساء بیگم نے ایشیائی شاعری پر جو جو احسان کئے تھے وہ محتاج بیان
نہیں اسکا دعوےٰ "سکہ بر نقد سخن رائج ایران زدہ ام" قابل تسلیم خیال کیا تھا اُسکے
کلام کی زیارت کو پر شوق آنکھیں ترسا کرتی تھیں اور ہاتھ صرف اُس کے پانیکی ہوس میں
پھیلے رہا کرتے تھے لیکن ملک نے جو اُسکی قدر کی ہے اظہر من الشمس ہے اُس کی
ساری عمر کی کمائی اکارت چلی گئی یہاں تک کہ سوائے ایک دیوان کے دوسری
تصانیف کا پتہ تک نہیں چلتا۔ اور اگر ایسا ہی اندھیر مچا رہا تو کچھ شک نہیں
کہ اُس کا نام بھی مثل دیگر مشاہیر کے صفحہ ہستی سے مٹ جائیگا۔ افسوس! جب ہم
اس کے کلام کو لیکر پڑھتے ہیں تو اُسکے سحر نما مضامین اُس کے چست اور مؤثر
فقرے اور اُس کے جادو بھرے الفاظ اور اسکے پر درد نغمے دلوں میں نشتر کا کام
کر جاتے ہیں اور بیساختہ زبان سے نکل جاتا ہے کہ کیا اُس کی قسمت میں یہی لکھا
تھا کہ عروج شاعری کی منزل کی سب سے اونچی سیڑھی پر جا چڑھے اور سحر انگیز
مضامین سے دلوں کو گرویدہ کر کے ایسی جگہ آپڑے کہ نام تک مٹ جانے میں بھی کسر
نہ رہے۔

زیب النسا بیگم کے بیوگرفی میں سب سے زیادہ قابل غور بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُس کے چال چلن اور شاعری کی نسبت تمام مورخین کی رائیں بالکل متضاد ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ عورت ہو کر جو رتبہ اُس نے پایا مرد لاکھ کوشش کرے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ بعض فرماتے ہیں کہ نہیں وہ معمولی لکھی پڑھی تھی گو شعر بھی کہتی تھی مگر ایسی نہ تھی جیسا کہ اُسے مشہور کیا جاتا ہے ؂

ایک تیسرے کریم النفس اصحاب اور ہیں جو بجائے ہمدردی کے عداوت کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیوان مخفی زیب النساء کا کلام ہی نہیں ہے بلکہ ایک ایرانی استاد معروف بہ رشتی کا ہے زیادہ تر اس بات پر ہٹ دھرمی کرنے والے کارپردازان مطبع نول کشور ہیں جو بلا سوچے سمجھے اپنے مطبع کے کتابوں کے سرورق پر جب دیگر کتب کا اشتہار لکھتے ہیں تو دیوان مخفی لکھ کر اتنا اضافہ کر دیا کرتے ہیں کہ ؂

"یہ کلام ایک ایرانی استاد کا ہے عوام اسے زیب النسأ سے منسوب کرتے ہیں یہ غلط ہے"

اور علیٰ ہٰذ القیاس دیوان مخفی جو اُن کے مطبع میں چھپا ہے اُس کے آخر صفحہ پر لکھا ہے۔

"دریں ایام خجستہ آغاز ہمایون انجام، بلاغت نظام شیاع عالیمقام و سخنگوے فلک احتشام سرآمد شعرائے نامی صاحب زبان تخلص رشتی معروف، بدیوان مخفی کہ بسبب مرغوبی کلام تا ہنگام بہزاراں خواستگاری مشتاقان زیب پذیر تششن بار

در لکھنؤ طبع بر گرفتہ بود حالا بہمان سلسلہ راہ قم کہ بحقیقت بار اول است بہ تصحیح بہما امکن آرایش پذیرفتہ آویزہ گوش روزگار گردید"۔

مگر شاید انہوں نے اس دیوان کو پڑھا نہیں۔ سنی سنائی باتوں کا تتبع کر لیا ہے وہ پہلے اپنے ہی مطبع کا چھپا ہوا دیوان لیکر پڑھیں صفحہ چہاردہم سطر ۷ میں لکھا ہوا ہے +

دختر شاہم ولیکن رو بفقر آوردہ ام

زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النسا ست

اس کا جواب شاید یہی ہو کہ آیندہ طبع میں اس غزل کو ہی دیوان سے نکالدینگے

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے

جادو وہ جو سر پہ چڑھکے بولے

ڈاکٹر برنیر جس نے اُس زمانہ میں ہندوستان کا سفر کیا تھا اپنی کتاب میں اس نامور شاعرہ کی سوانح عمری پر دھبہ لگایا ہے اور ایک جلد باز اور متعصب مورخ کی طرح اصلی اور سنے سنائے واقعات کو خلط ملط کر گے اُس کے کیرکٹر پر نکتہ چینیاں کر گیا ہے مگر جس نے اُسکی تاریخ کو نظر انصاف سے دیکھا ہے وہ اس بات کا قائل ہو گا کہ ڈاکٹر برنیر کی کلام کا ہذیان سے زیادہ رتبہ نہیں اور جو کچھ اُس نے لکھا ہے اُس سے محض تعصب کی بو آتی ہے +

اب ہم چاہتے ہیں کہ بسبیل اختصار زیب النسا بیگم کی زندگی کے عجیب حالات اور اُس کے مختلف کو اُلف چال و چلن بیان کریں کیونکہ بڑی چیزونکی

تصویر جتنی دور سے لی جائے اُتنی ہی عمدہ اترتی ہے اور نزدیک سے کچی معلوم ہوتی ہے۔ اس ہیروائن کو دنیا کے تماشہ گاہ سے گئے ہوئے اسقدر عرصہ گزر گیا ہے کہ اُن چند صفحوں کی ترتیب میں اور صحیح واقعات کی تلاش میں جو دقت پیش آئی ہے اس کا مرتّب ہی بجائے خود اندازہ کرسکتا ہے۔ تاہم جو کچھ فراہم ہوسکا ہے ہدیہ ناظرین ہے ع گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف +

ایک ایسی باکمال کی سوانح عمری جسمیں علمی اور اخلاقی دو نو خوبیاں موجود تھیں اور جس نے اپنے جذبات کی فتح سے علمی دنیا میں ایک ممتاز اور نمایاں عزت حاصل کی تھی ملک کی ترقی میں کچھ مدد دینے والی نہیں ہوسکتی۔ دلچسپی واقفیت اور نیز اِن مختلف تحریکوں کے لحاظ سے جو ان صفحات سے ملک کی اخلاقی اور علمی بہبودی پیدا ہونے کی اُمید ہوسکتی ہے۔ یقین واثق ہے کہ ناظرین ان کو عبور کرکے مرتّب کی محنت کا حق انصاف ادا کرینگے +

جی تو نہیں مانتا تھا کہ اِس دلچسپ دیباچہ کو یہیں ختم کرتا۔ خوف طوالت کا بُرا ہو۔ کرنا ہی پڑا۔ لیکن ؎ شب آخر آمد و افسانہ از افسانہ مے خیزد و کتاب ناممکمل رہی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے محترم دوست منشی غلام محمد صاحب (محکمہ ٹریفک) کا شکریہ ادا نہ کروں۔ جن کی توجہ و امداد نے اس کی ترتیب و تکمیل میں ہی کام دیا ہے جو چمن کو آبیاری سے ہوتا ہے اور سچ تو یوں ہے کہ صرف میں ہی نہیں بلکہ حجلہ نشین علیّین (زیب النساء بیگم) کی روح بھی شکریہ کے ساتھ احسنت و مرحبا کہ رہی ہے +

خاکسار

محمد دین (خلیق)

لاہور ۲۹۔ مئی ۱۸۹۹ء

دیباچہ طبع دوم

کسی مصنّف یا مولّف یا مرتّب کے لئے آجکل جیسے ناقدردان زمانہ میں یہی معراج ہے کہ اُسکی تصنیف یا تالیف کو دوسری بار پریس دیکھنا نصیب ہو۔ یہی اُس کی محنتوں کا صلہ خیال کیا جاتا ہے اور یہی اُس کے لئے سرمایہ ناز ہے +

الحمد اللہ کہ مولف حیات زیب النسا کو بھی یہ فخر نصیب ہوا ہے کہ اُسکی ناچیز تالیف کو چھپے ہوئے ابھی پورے دو سال بھی نہیں گذرے تھے کہ اُس کو دوسری بار چھاپنے کی ضرورت پڑی۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ملک نے کسقدر جلد اُسکی محنتوں کا صلہ دیا اور کتنا کچھ اُس کی تالیف کی قدر کرکے اُس کی حوصلہ افزائی کی پچھلی بار بہ سبب چند در چند وجوہ کے اس میں بہت سی غلطیاں رہ گئیں تھیں۔ مگر اب کی دفعہ کوشش کی گئی ہے۔ کہ یہ نقص بھی نہ رہے اور جو کچھ مزید حالات دستیاب ہوئے وہ بھی درج کردئے گئے ہیں +

خاکسار

سہارنپور مورخہ ۱۴ جنوری سنہ ۱۹۰۰ء

محمد دین (خلیق)

شجرہ خاندان شہزادی زیب النساء بیگم

تیمور گورگانی

ظہیر الدین محمد بابر

ہمایوں — مرزا کامران — مرزا عسکری — مرزا ہندال

حکیم — اکبر — ابراہیم

حسن — حسین — سلیم — مراد — دانیال

خسرو — پرویز — شاہجہان — جہاندار — شہریار — (دختر) — (دختر)

جہانگیر

عالمگیر — دارا شکوہ — شجاع — مراد بخش

سلیمان شکوہ — سپہر شکوہ — جانی بیگم

ایزد بخش — اسایش بیگم — ہمراز بیگم — دوستدار بیگم

زین العابدین — زین الدین — بلند اختر — دلبند بانو — گلرخ بیگم — خیر النساء بیگم

محمد سلطان — محمد معظم — محمد اعظم — محمد اکبر — کام بخش — زیب النساء بیگم — زینت النساء بیگم — زبدۃ النساء بیگم — بدر النساء بیگم — مہر النساء بیگم

حیات زیب النساء

پیدائش بچپن اور تعلیم

یہ روشن خیال اور عالی دماغ شہزادی شہنشاہ ہندوستان محمد محی الدین عالمگیر اورنگزیب کی بیٹی تھی۔ اس کا اصل نام زیبندہ بیگم تھا۔ مگر مشہور زیب النسا بیگم ہے اس کی اور بھی چار بہنیں تھیں جنکے نام بترتیب عمر زینت النسا بیگم۔ زبدۃ النسا بیگم۔ بدر النسا بیگم اور مہر النسا بیگم ہیں مگر یہ سب سے بڑی تھی ✤

یہ شہزادی ۱۰ شوال ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۹ء کو صبح کے چار بجے دختر شاہنواز خاں کے بطن سے پیدا ہوئی۔ شاہی دستور کے مطابق اس کی پرورش شروع ہوئی اور اچھی اچھی شریف زادیاں اس کی خدمت کے لئے مقرر ہوئیں مگر دودھ پلانے پر صرف میا بائی تھی۔ اس کا بچپن نہایت ہی خوبصورت اور لطیف تھا۔ جب تین سال کی تھی تو میا بائی

کے پاس بیٹھی ہوئی بڑی توجہ سے قران شریف سنا کرتی تھی اور ذرا بھی نہ اُکتاتی تھی میا بائی نماز و وظایف کی بڑی پابند تھی اور اکثر گھنٹوں مصروف رہتی تھی۔ مگر کیا مجال جو یہ روئے یا دیگر بچوں کی طرح مچلے گو میا بائی کی حرکات و سکنات کو ہرگز نہ سمجھتی ہوگی۔ لیکن یہ نظارہ اُس کے دل بہلنے کے لئے کافی و وافی تھا۔

عالمگیر کو اس سے بہت محبت تھی۔ اور اس کے طرز و انداز کو دیکھ کر اُس نے سمجھ لیا تھا کہ یہ ننھی سی طبیعت ضرور کسی دلچسپی کا مادہ اپنے میں رکھتی ہے۔

زیب النساء جب سوا چار سال کی ہوئی تو ملا جیون سے (جو شاہی خاندان کے استاد تھے) بسم اللہ شروع کرائی گئی۔ اس کا ذہن اس بلا کا تھا کہ اُس نے صرف دو سال اور تین مہینے میں قرآن شریف ختم کر لیا اور ابھی آٹھ سال سے کچھ کم ہی کی تھی کہ حافظہ بھی ہو گئی۔ حافظہ ہو جانے کی خوشی میں اُس کے باپ نے تیس ہزار اشرفیاں اُس پر سے تصدق کیں اور بہت کچھ خوشیاں منائیں۔ بعدہٗ اُسکو ملا سعید اشرف بن مسالح عرف شاہ رستم غازی کا (جو اُس زمانہ میں یگانہ تھے) شاگرد بنایا گیا اور اُن سے علم فارسی و عربی۔ فقہ اصول کماحقہٗ حاصل کیا۔ علاوہ ذہن رسا کے اسکی زبان میں خدا نے اسدرجہ کا لوچ دیا تھا کہ جب یہ قرآن پڑھتی تھی تو سامعین کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑتے تھے۔

شاعری کے لئے اس کی طبیعت خود بخود ایسی موزوں پیدا ہوئی تھی

کہ جو بات اس کے منہ سے نکلتی تھی مقفّے ہوتی تھی۔ شروع شروع میں تو اُسے کچھ خبر ہی نہ تھی لیکن اُستاد جو اُسے ملا تھا وہ ماہر خفی و جلی تھا۔ بلکہ کہتے ہیں کہ اُس نے پیش گوئی بھی کی تھی کہ یہ شاعرہ ہوگی۔ اس پیش گوئی کی خبر رفتہ رفتہ زیب النساء کے کان تک پہنچ گئی۔ جس نے اُس کی طبیعت میں اور بھی شعر گوئی کا شوق پیدا کر دیا۔ شعر گوئی کا شوق پیدا ہونے کو تو ہو گیا مگر اصلاح کی ضرورت باقی تھی شاہ رستم غازی صاحب سے تو ادب اور حیا مانع تھی اور دوسروں کو وہاں تک مجال رسائی نہ تھی اس لئے پندرہ برس کی عمر تک یہ آتش شوق دل کی دل میں دبی رہی تاہم جو کچھ موزون ہوتا لکھ لکھ کر جمع کرتی جاتی تھی اور فرصت کے وقت خود ہی نظر ثانی کر لیا کرتی تھی +

ایک دن شاہ صاحب مرحوم نے چند مختلف اشعار جو اُس کی بیاض میں لکھے ہوئے تھے دیکھے اور نہایت ہی پسند کئے بعد ازاں زیب النساء سے دریافت کیا کہ کیا وہ اشعار اُسی کی موزون طبیعت کا نتیجہ ہیں۔ اس سوال کا جواب شہزادی زیب النساء نے نہایت حیا اور ادب سے اثبات میں دیا۔ شاہ صاحب نے اپنے شاگرد کی ایسی پاکیزہ طبیعت دیکھ کر شعر گوئی کی اجازت دے دی۔ بلکہ اصلاح کے لئے بندوبست کر دینے کا بھی وعدہ کیا۔ اب تو اُس کی دلی مراد حاصل ہو گئی اور دن بدن اُس کی نازک خیالیاں زور پکڑتی گئیں +

میر ناصر علی سرہندی اور نواب ذوالفقار خاں

قبل ازیں کہ اور حالات زیب النساء بیگم کے لکھے جائیں تھوڑا سا حال ناصر علی صاحب سرہندی کا لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے +

یہ بزرگوار شرفاے سرہند سے تھے اُن کے والد صاحب کو بھی شعر گوئی کا بہت شوق تھا مگر معروف مسئلہ "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" انہوں نے ہی ثابت کر دکھایا۔ یہ زبان فارسی کے معتبر مصنف اور مسلم الثبوت محقق تھے۔ بڑے آزاد الطبع۔ بلند نظر اور بددماغ تھے اور اسی قباحت نے انہیں نازک المزاج بنا کر ہمیشہ دنیا کی راحت اور فارغ البالی سے محروم رکھا۔ امیروں کے پاس جانا اپنی ہتک سمجھتے تھے۔ ہمیشہ اپنے ٹوٹے پھوٹے تنگ و تاریک جھونپڑے میں قناعت سے گذارا کرتے تھے۔ ان کو آسودہ حال کبھی نہیں دیکھا گیا۔ ہاں ایک آدھ فاقہ ضرور گذر جاتا تھا۔ اُن کو چھوٹی سی عمر میں شعر کہنا آگیا تھا۔ جب یہ بیس سال کے ہوئے تو سمند ناز پر ایک اور تازیانہ فقیری کا لگا بیٹھے +

اُن کے زمانے میں سرہند کے ناظم نواب ذوالفقار خاں تھے اُن کو شاعروں سے بہت الفت تھی۔ جب انہوں نے میر صاحب کا حال سنا تو برہمن نام شاعر کو (جو اُن کے دربار میں تھا) لانے کو بھیجا۔ میر صاحب نے پہلے تو جانے سے انکار کیا اور کہا "بابا میں تو فقیر ہوں" مگر برہمن بلا کا لستان تھا کسی نہ کسی ڈھنگ سے اُن کو دربار تک لے گیا +

اتفاقیہ بات کہو یا میر صاحب کی سبز قدمی سمجھو میر صاحب ابھی علیک سلیک کر کے بیٹھے ہی تھے کہ لونڈی نے اندر سے آکر نواب صاحب کو اُن کی اکلوتی اور لاڈلی صاحبزادی کی وفات کی خبر سنائی۔ مجبوری کا مقام تھا نواب صاحب کو زنانخانہ میں جانا پڑا۔ مگر چونکہ میر صاحب کی طبیعت سے واقف تھے کہ مبادا منغص طبع ہو کر چلے جاویں۔ اُلٹے پاؤں واپس آگئے۔ یہاں آکر دیکھا تو میر صاحب کبھی کے کافور ہو چکے تھے۔ نواب صاحب کو بہت حیرت ہوئی اور جو فقرہ بیساختہ زبان سے نکلا وہ یہ تھا۔ "ارے کوئی جانا وہ تو میری ہجو لکھ ڈالیگا" برہمن نے پھر تکلیف کی اور میر صاحب کے گھر گئے وہاں جا کر دیکھا کہ واقعی وہ ذو الفقار خاں کی ہجو لکھ رہے ہیں برہمن نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ہاتھ پکڑ لیا جب میر صاحب نے سبب پوچھا تو کہا "واہ صاحب واہ نام تو ہو علی اور ذو الفقار کی ہجو" میر صاحب کو یہ فی البدیہ فقرہ پسند آیا۔ اور کہا "افسوس مجھے قدرت نہیں ورنہ جو تو مانگتا بلا عذر دیدیتا۔ اب بھی جو کچھ میرے اختیار میں دیکھتا ہے مانگ" برہمن کو جب یہ موقع ہاتھ لگا تو عرض کی۔ "میرے ساتھ پھر دربار تک چلئے اور اُس ہجو کی جگہ مدح لکھ دیجئے" میر صاحب نے چونکہ زبان دے چکے تھے اُسکی درخواست کو قبول کیا اور لکھا۔

ای شان حیدری ز جبین تو آشکار ✦ نام تو در نبرد کند کار ذو الفقار
دشمن کش جہانی و یکدوست پروری ✦ فتح و ظفر ز دولتی مستند در قطار

لہ ہجو بھی موجود ہے مگر بہت فحش ہے اس لئے اس جگہ نہیں لکھی گئی ✦

تسخیر دوستان الٰہی نمودۂ ۔ اے نوبہار خلق تو بر بوے گل سوار
مرغ دلم بہ نیم نگہ صید کردۂ ۔ اے طائران عرش خدنگ ترا سوار
ترسم کہ دل زبوے فراقت جنوں شود ۔ آں دل کہ بردۂ زدلِ من بمن سپار
یاران چند در فنِ خود منشئ خود اند ۔ ایں جمع رابیک نظرِ عاطفت شمار
ناصر علی ترا ز تو خواہد مراد بس ۔ اے ابر فیض بر ہمہ عالم گہر ببار

بعدہٗ ساتھ گئے اور قطعہ بالا پڑھ کر سنایا ۔ نوابصاحب بہت تواضع سے پیش آئے اور وظیفہ بھی مقرر کر دیا مگر بے اعتنائی کی کھٹک دل سے نہ نکلی اور عوض لینے کی تاک میں رہے ۔ آخر کار مرزا محمد علی صاحب المتخلص صائب کو ایران سے بلوایا (بعض کہتے ہیں وہ خود آیا تھا) اور مقابلہ پر کھڑا کر دیا ۔ اُن کی چھیڑ چھاڑ کا رنگ علی کے مفصلہ ذیل اشعار سے جھلکتا ہے :-

بایں شوخی غزل گفتن علی از کس نمے آید ۔ بایراں مے فرستم تا کہ بنویسند جوابش را
علی شعرم بایراں مے برد شہرت از آں ترسم ۔ کہ صائب خون بگرید آب در دفتر شود پیدا
علی بہ گلشنِ کشمیر رفتنم عیب است ۔ کہ ہمصفیرِ من آن عندلیب تبریز است
خون گشت علی سینہ ام از مصرعِ صائب ۔ در پیرہن غنچہ بہ بینید چہ خار است

ادھر تو ناصر علی اور صائب میں چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی اب ادھر کا حال سنئیے

لے میر صاحب کی اردو ۔ میر صاحب کے ہمعصر شاہ شمس ولی اللہ صاحب بھی ہیں جنہوں نے اردو شاعری کی بنیاد ڈالی تھی ۔ یہ ولی تخلص کرتے تھے ۔ انہوں نے ایکبار اپنے جوش ریختہ گوئی میں ناصر علی کو لکھا ع اچھلکر جا پڑے جوں مصرعہ برق اگر مطلع لکھوں ناصر علی کوں ۔ ناصر علی نے جواب میں لکھا ع

جب زیب النساء کی شاعری نے زور پکڑا اور زمانے کی داد و واہ نے نوعمرِ طبیعت کو بلند پروازیوں کے پر لگائے تو شاہ رستم صاحب نے حسب وعدہ بادشاہ سے اصلاح کے لئے کسی لائق شاعر کے استاد مقرر کرنے کی رائے دی۔ بادشاہ نے جس کو اپنی دختر ساری اولاد سے زیادہ پیاری تھی اور اسی محبت کی وجہ سے اس کو تعلیم بھی لڑکوں کے سکیل پر دی تھی منظور فرمایا اور عمدہ عمدہ شاعروں کی پڑتال شروع کر دی۔ کشمیر و ایران و دیگر ممالک سے آدمی آئے۔ مگر زیب النساء کی چلتی طبیعت کے آگے کوئی لگا نہ کھا سکا +

ایک بار نواب ذوالفقار خاں ناظم سرہند دار السلطنت میں شرف قدمبوسی کو حاضر ہوا اور جب اُس نے یہ خبر سنی تو دربار میں ناصر علی اور برہمن کی یہاں تک تعریف کی کہ بادشاہ نے ذوالفقار خاں کو دونو شاعروں کی حاضری کے واسطے باصرار حکم دیا۔ جب یہ دونو حاضر دربار ہوئے تو بادشاہ نے کلام سنانے کی فرمایش کی۔ پہلے برہمن نے غزل پڑھی جو بیشک مرصع تھی لیکن بادشاہوں کی طبیعتیں جو گاہے بسلامے بر نجندو گاہے بدشنامے خلعت دہند کی مصداق ہوتی ہیں۔ برہمن کی غزل کا یہ مقطع سنکر کہ ؎

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندیں بار
بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

کچھ بگڑ گئی اور توہین مذہب سمجھ کر بموجب حکم شرع انتقام لینے کی تدبیریں

سوچنے لگا۔ میر ناصر علی صاحب اگر اس وقت موجود نہ ہوتے تو خدا جانے کیا ہو جاتا۔ بادشاہ کی پھری چتونوں کو تاڑ گئے اور دست بستہ عرض کی کہ حضور نے سنا ہوگا۔ گلستاں میں سعدی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں *

خر عیسے اگر بمکہ رود — چوں بیاید ہنوز خر باشد

اگر برہمن کعبہ سے واپس آکر برہمن ہی رہے تو کچھ جائے تعجب نہیں یہ سنکر بادشاہ ہنس پڑا اور قصور سے در گذرا۔ بعدہٗ میر صاحب نے غزل سنائی۔ اہل دربار زور طبیعت کو مان گئے مگر زیب النساء بیگم جو براقی طبع میں خود بے نظیر تھی اُس کے کلام کو خاطر میں نہ لائی۔ اور دوسرے روز اُسی طرح میں اپنی غزل لکھ کر سنائی اگرچہ میر صاحب کی طبیعت حاضر فکر رسا۔ اور بندش چست اس پر کلام میں زور سب کچھ تھا مگر بفحوائے کلام الملوک ملوک الکلام اور میر صاحب کی غریب الوطنی کی وجہ سے سب نے زیب النساء بیگم کے کلام کو ترجیح دی *

اب یہ اُستاد تو نہ مانے گئے مگر شاعروں میں مقرر ہو گئے اور اشاہی مشاعرہ میں مقابلہ پر طبع آزمائیاں کرنے لگے غزلوں میں بھی چھیڑ چھاڑ ہونے لگی مگر اس طرح کہ کوئی سمجھے اور کوئی نہ سمجھے *

علاوہ ناصر علی کے صائب۔ غنی[1]۔ برہمن۔ بہروز اور عاقل بھی ہمعصر تھے لیکن مشاعرہ میں حاضری سے معذور تھے کیونکہ غنی کشمیر میں تھے

[1] غنی تخلص تھا۔ اصل نام ملا طاہر تھا۔ شیخ محسن فانی کے شاگرد رشید ہیں ان کا کلام نہایت ہی مقبول ہوا۔ ایران تک شہرہ پہنچا تھا۔ مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے) باقی اگلے صفحہ پر

اور گھر سے باہر قدم نکالنا نہیں چاہتے تھے۔ عاقل لاہور میں ناظم تھا اور بندگی و بیچارگی کے سبب سے مجبور تھا۔ صائب سرہند میں نواب ذوالفقار خاں کے پاس ہی رہا۔ البتہ بہروز۔ ناصر علی اور برہمن داد سخن لیتے اور دیتے تھے۔ تینوں متقدم الذکر کے پاس جب مہینوں کے بعد طرح پہنچتی تھی تب کہیں اُس پر کہتے تھے مگر وہ "مشت بعد از جنگ" ہوتی تھی۔ مذاق

(نوٹ بقیہ) کہ میں اپنا سارا دیوان اُن کے ایک شعر کے عوض میں دینے کو طیار ہوں کاش اس شعر کو میں کہتا ؎

حسن سبز تو بخط سبز مرا کرد اسیر — دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

کاشمیر سے کبھی باہر قدم نہیں نکالا۔ باوجودیکہ شہنشاہ ہندوستان نے سیف خاں حاکم کشمیر کی معرفت بلوا بھیجا تھا مگر انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ لکھ دو "غنی دیوانہ ہو گیا ہے" سیف خاں نے جواب دیا "میں تجھ جیسے عاقل کو دیوانہ کیونکر بنا سکتا ہوں" یہ سن کر آپ نے اُسی وقت کپڑے پھاڑ ڈالے اور دیوانہ صورت بنالی اور کہا لو اب تو لکھ دو۔ افلاس جو شعراء کا ہمدم اور ہمنفس ہے اُن کا بھی یار غار رہا تاہم قناعت کو ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ دولت کے لئے امیروں تک جانا ہتک سمجھتے تھے۔ چنانچہ خود کہتے ہیں۔

فکر روزی بر نمے دارد مرا از جائے خویش — آبرو چوں شمع میریزم ولے بر پائے خویش

ناصر علی صاحب نے ایک دفعہ اُن سے اپنی کلام کے بارے میں رائے طلب کی تھی اُس کے جواب میں آپ نے لکھا ؎

گر رتبہ شعری خود بپرسی از من — گویم سخن یاتو مرنج اے کو دن

بر ہر ورقے کہ کردۂ مشق سخن — چوں لوح زبان شوی از آب دہن

شعر ہر ایک کا علیحدہ تھا۔ لیکن قافیہ کے نباہنے میں ایک کو دوسرے پر فوقیت ہوتی تھی۔ ایک اگر آہ تھا تو دوسرا واہ۔ ذیل میں چند غزلوں کا اقتباس درج کیا جاتا ہے جس سے اُن کی قابلیت اور خیال کا اندازہ زیب النساء بیگم کے مقابلہ میں ہوسکتا ہے۔ مگر انصاف شرط ہے ٭

زیب النساء بیگم

برفگن از شمع رویت اے مہ خوبان نقاب — تا بصد منت نہد بر پائے تو سر آفتاب

در فراقت زندگانی چوں کنم یارب کہ بس — غم قوی محنت فزوں دل ناتواں جانم خراب

آنچہ حاصل کردم از سودائے عشق اینست و بس — جان کباب و سینہ چاک و دل حزین چشم پر آب

خو گرفتم با غم عشق تو باید بعد ازیں — ہر نفس سالے بود بیش تو در راہ حساب

کامرانی گر کنی مخفی نمائی عمر خویش — گریہ بیحد نالہ بیحد سینہ بریان دل کباب

میر ناصر علی صاحب (علی)

بسکہ حسنت ریخت در پیمانہ حیرت شراب — چوں شفق برروئے گردوں مانند نور آفتاب

جوہر اندر استخوان ماہیان پروانہ شد — شمع روشن کرد عکست تا بفانوس حباب

ہر کہ دارد آبرو از سختئ چرخ ایمن است — دانۂ گوہر نبیند شکست از آفتاب

عیبہا رنگ ہنر گیرد چوں دل روشن بود — صبح نورانی شود دود چراغ آفتاب

پردہ ہائے دیدہ اہم از میان برداشتن — میتواں کردن تماشائے تو امشب بیحجاب

بر دل ریشم نمک از خندہ پاشیدن چرا — مرغ آتشخوارہ در آتش نخواہد شد کباب

مردمک از دیدہ برے آید از شوق رخت روے بنما تا نگردد خانۂ مردم خراب

ایک دفعہ طرح تھی

"اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند"

اس پر سب کی غزلیں موجود ہیں۔ مگر اس مقام پر صرف چند چیدہ چیدہ اشعار درج کئے جاتے ہیں (اس زمانہ میں شاید زیب النساء بیگم کی شاعری کی ابتدا ہوگی)۔

زیب النساء بیگم

حجاب نو عروساں در بر شوہر نمیماند اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

مریض عشق او بسیار بر بستر نمے ماند اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

مرزا محمد علی صاحب (صائب)

مہِ دو ہفتہ ہرگز با رخ دلبر نمے ماند اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

دلم از مہر آں آئینہ رو در بر نمے ماند اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

بہ بیں بیمار الفت را کہ بر بستر نمے ماند اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

ناصر علی صاحب سرہندی (علی)

زنے قحبہ درون خانہ بے شوہر نمے ماند اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

چو میوہ پختہ شد بر شاخہائے تر نمے ماند اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

مسافر در سر کارواں اکثرے ماند　　اگر ماند شبے ماند شبے دیگرنے ماند

نعمت خاں (عالی)

ہلال عید چو ابروے آں دلبرنے ماند　　اگر ماند شبے ماند شبے دیگرنے ماند

زیب النساء بیگم کا حلیہ

ڈاکٹر برنیر صاحب جنہوں نے عالمگیر کے زمانہ میں ہندوستان کا سفر کیا تھا اپنے سفر نامہ میں شاہزادی کا حلیہ اس طرح بیان کرتے ہیں قد لمبا۔ ہاتھ پاؤں متوسط درجہ کے بدن دبلا پتلا۔ چہرہ گول اور رنگ صاف۔ رخسارہ کے دائیں جانب نزد بینی گوش دو سیاہ تل۔ آنکھیں سیاہ اور موٹی موٹی۔ سر کے بال لمبے لمبے۔ دانت اور ہونٹ پتلے پتلے تھے۔

میابائی راوی ہے کہ بیگم صاحبہ نے مسّی اور سرمہ کا استعمال عمر بھر نہیں کیا۔ ہمیشہ سفید اور سادہ لباس رکھتی تھی سوائے اوائل عمر کے رنگین اور ریشمی لباس سے ہمیشہ نفرت رہی مگر خواصوں اور کنیزوں کو اجازت تھی کہ رنگین یا جس طرح کا لباس اُن کو پسند ہو پہنا کریں۔ بلکہ جس کسی کو سادہ لباس میں دیکھتی اُسے پہننے کو کہتی صرف زبانی ہی ارشاد پر اکتفا نہیں ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات تاکید بھی کی جاتی تھی۔ مرّوجہ لباس کی کتربیونت صرف محمد شاہ کے زمانے سے ہوئی ہے۔ مختلف اوضاع کے کپڑے پہلے نہیں پہنے جاتے تھے۔ مستورات کی

پوشاک یا تو ہندوانہ وضع کی ہوتی تھی۔ یا ایرانی وضع کی۔ زیب النساء
عموماً ایرانی لباس زیب تن کرتی تھی۔ ہاں ایک دفعہ جب لاہور میں آئی
تو ایک ہندو شہزادی کے ایما سے ہندوستانی لباس بھی پہنا۔ چونکہ اُس
کی خبر شاہ تک جلد پہنچ گئی اور اس نے زیب النسا کو اس پر بہت
کچھ ملامت بھی کی اس لئے فوراً اتار دیا۔ زیور بھی پہنتی تھی مگر تھوڑا
ایک مالا قیمتی موتیوں کی ہر وقت زیب گلو رہتی تھی۔ جس کے بیچ
میں دو تین مرصع تعویذ ہوتے تھے۔ اور کانوں میں جواہرات کے
کرن پھول۔ تاہم اس سادگی پر ہزار بناؤ اور سنگار قربان تھے سچ ہے

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی
کہ دیکھو خوشنما لگتا ہے کیسا چاند بن گہنے

زیب النساء کا مذہب باپ کی طرح اہل سنت والجماعت تھی اولیاے
کرام اور بزرگان دین کے نام بڑے ادب سے لیتی تھی۔ شرک اور بدعت
کے کاموں سے نفرت کلی رکھتی تھی۔ عالمگیر کی تخت نشینی سے پہلے
تعزیہ داری و مجالس کا شوق بھی رہا۔ بڑے اخلاص اور اعتقاد سے
شریک مجالس ہؤا کرتی تھی۔ مگر عالمگیر کے زمانے میں جہاں لوگوں نے
دیگر منہیات سے توبہ کی تعزیہ داری کو بھی اُنہیں میں سے سمجھا۔ تو
زیب النساء بیگم نے بھی حسب تلقین شراکت مجالس ترک کر دی
کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں حضرت شاہ میانمیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ مگر اس کا پختہ ثبوت کہیں نہیں ملتا

شاید ایسا ہوا ہو کیونکہ ان کا تمام خاندان۔ خصوصاً دارا شکوہ۔ شاہ صاحب مغفور کا مرید تھا +

زیب النساء بیگم طبیعت کی رحیم۔ بردبار۔ خلیق اور متحمّل تھی۔ غصہ اور غضب کے وقت بھی مطمئن نظر آیا کرتی تھی۔ خادموں اور کنیزوں سے بڑا سلوک رکھتی تھی۔ تاریخ جمیلی میں لکھا ہے کہ اس کو چین بجبیں کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ ہمعصر باوجودیکہ بے باکانہ اور گستاخانہ چوٹیں کر جاتے تھے مگر یہ مستقل المزاج شہزادی غصہ ہونا تو درکنار پرواہ تک نہیں کرتی تھی۔ ایک دفعہ اُس نے یہ بے نظیر ع

از ہم نے شود زحلاوت جدا لبم

تحریر کیا اور شاعروں کو دوسرا مصرعہ موزوں کرنے کے لئے ارشاد کیا سب نے اپنی اپنی طبیعت کا زور دکھایا مگر ناصر علی سرہندی موصوف نے لکھا ؎

از ہم نے شود زحلاوت جدا لبم
شاید رسید بر لبِ زیب النسا لبم

گو یہ نہائت ہی گستاخانہ جواب تھا۔ تاہم تحمّل سے کام لیا۔ اور بلحاظ ہمعصری بالکل پرواہ نہ کی۔ صرف اتنا لکھ بھیجا ؎

ناصر علی بنام علی بردۂ پناہ
ورنہ بذوالفقار علی سر بریدمت

ایک دفعہ ایک آئینہ جو فغفور چین نے شاہجہان شہنشاہ ہند کو تحفتاً

بھیجا تھا اور عالمگیر سے زیب النساء کو ملا تھا ایک پرستار[1] روشن نام سے ٹوٹ گیا۔ اس قیمتی چیز کے ضائع ہونے کے باعث لونڈی کانپتی ہوئی آئی۔ مگر مارے خوف کے بات منہ سے نہ نکل سکتی تھی مگر جب بیگم صاحبہ نے پوچھا تو اُس نے روتے روتے کہا ؎

از قضا آئینۂ چینی شکست

شاہزادی نے بالکل ملال نہ کیا بلکہ ہنسکر کہا

خوب شد اسباب خود بینی شکست

فی البدیہ جواب دینے میں تو اُسے وہ ملکہ حاصل تھا جو کہنہ مشق استادوں کو ہُوا کرتا ہے۔ بلا پس و پیش ایسا دنداں شکن جواب دیتی تھی کہ سننے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔

لطیفہ جب لاہور میں چوبرجی والا باغ (جس کا مفصل حال آگے

---

[1] اسی خادمہ کی نسبت یہ بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ زیب النساء بیگم نے اُسے حکم دیا کہ فلاں کمرے سے میرا فلاں بیاض اٹھا لاؤ۔ جب یہ بیاض لا رہی تھی۔ راستہ میں ایک چھوٹا سا حوض تھا جیسے کہ امرا اور سلاطین کے محلسراؤں میں تفریحی حوض ہوتے ہیں اور اُس میں سُرخ مچھلیاں چھوٹی ہوئی تھیں یہ خادمہ مچھلیوں کا تماشہ دیکھنے لگی اور بیاض اُس کے ہاتھ سے حوض میں گر گیا۔ اس پر اُس نے شاعرہ بیگم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ رباعی جو اُسی وقت موزوں کی تھی پڑھی۔

آں بیاض خاصۂ شاہی کہ در روے ہر طرف ÷ چوں کواکب نقطہ ہائے انتخاب اُفتادہ است
ایں زماں از دست روشن خام و خاکش در دہن ÷ چوں بیاض سینۂ ماہی در آب اُفتادہ است

آئیگا) طیار ہؤا تو اُس کی افتتاح کی خوشی میں جشن منایا گیا اور مہمان دور دور سے شامل جلسہ ہوئے چونکہ مہمانوں کی خاطر ہر طرح سے منظور تھی خانساما و داروغہ وغیرہ کو حکم دیا کہ جو شئے کسی کو درکار ہو وہ بلا عذر دی جائے۔مگر شاید اس حکم کی تعمیل اچھی طرح سے نہ ہو سکی۔اس لئے خود بدولت مہتمم باورچی خانہ بنی۔اور مکرر احکام جاری کئے کہ جس چیز کی ضرورت ہو بیگم صاحبہ سے رقعہ بھیج کر منگالی جائے۔عاقل خاں گورنر لاہور نے جو شہزادی پر دل و جان سے مفتون تھا۔ایک پرچہ پر یہ ذو معنی فقرہ کہ

"سنبوسہ ببین ے خواہم"

لکھ کر حضور میں ارسال کیا یعنی ظاہر میں تو جبین کا سنبوسہ طلب کیا۔مگر در باطن بوسہ کا مطلب ادا کیا (کیونکہ جب لفظ سنبوسہ سے سن علیحدہ کر لیا جاتا ہے تو صرف لفظ بوسہ باقی رہ جاتا ہے) شہزادی اُس کے مطلب کو تاڑ گئی اور اپنی دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی سے یہ فی البدیہ فقرہ جواب میں تحریر کیا۔

"از مطبخ مادر طلب"

نقل۔ایک دفعہ کم سنی کے زمانہ میں سہیلیوں کے ساتھ اکبر آباد (آگرہ) کے قلعہ میں محل کے اوپر کھیل رہی تھی۔کھیلتے کھیلتے کسی سہیلی نے جیسا کہ بچوں کی شوخ طبیعت کا مقتضا ہے ایک دیوار کے سوراخ میں ایک لکڑی ڈال دی اور کہا "نیمے دروں نیمے بروں"۔اس پر سب نے ہنس دیا۔اور شور یہاں تک ہؤا کہ زیب النساء کے جد امجد شاہجہان نے رجو آنکھوں

سے معذور اس مکان کی مسجد میں رہتے تھے، سن لیا اور گھرک کر پوچھا "یہ کیسا شور مچا رکھا ہے" "چور کی ڈاڑھی میں تنکا سب نے جانا شاید" "نیمے دروں نیمے بروں" والاشان نے فقرہ سن لیا تھر" اگئیں اور حواس باختہ ہو گئے۔ لیکن زیب النساء بیگم مطلق نہ گھبرائی اور فوراً آگے بڑھ کر کہا "جدِ امجد ہم کہ رہی ہیں"۔

از ہیبت شاہِ جہاں لرزد زمین و آسماں
انگشت حیرت در دہاں نیمے دروں نیمے بروں

نقل۔ ایک دفعہ باغ میں جلوہ افروز تھی۔ صبح کا سہانا وقت تھا۔ نسیم سحری جو پژمردہ دلوں میں بھی گدگدی کر جاتی ہے۔ عین اعتدال پر چل رہی تھی۔ بلبلوں کی چہچہوں اور قمری کی کو کو نے لطف گلشن کو دوبالا کر رکھا تھا۔ طبیعت جو آئی تو نہر کے فرش پر بیٹھ گئی اور بے خودی میں یہ شعر منہ سے نکل گیا ؎

چہار چیز ز دل غم برد کدام چہار
شراب و سبزہ و آب رواں و روئے نگار

اُس کو بار بار دہراتی اور لطف مضمون کا مزہ لیتی تھی۔ ناگاہ شاہ عالمگیر وہاں تشریف لے آئے۔ زیب النساء نے جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو والد صاحب کو تھوڑے فاصلے پر کھڑا پایا اور خیال ہؤا شاید انہوں نے مجھے شعر بالا پڑھتے سُن لیا ہے۔ فوراً مضمون بدل دیا اور پڑھنے لگی ؎

چہار چیز ز دل غم برد کدام چہار + نماز روزہ و تسبیح و توبہ استغفار

نقل ایک دفعہ بازیگر کا تماشا حضور میں ہو رہا تھا۔ بازیگر کی عورت بلند بانس پر چڑھ کر قلابازیاں دکھا رہی تھی۔ چونکہ نہایت حسین عورت تھی۔ شعراء حاضرین میں سے کسی نے اُسکی تعریف میں یہ شعر موزوں کیا ؎

این لعبت بو العجب چو ماہ پیدا ست
یا تازہ گلے کہ بر سر شاخ رعنا ست

جب بیگم صاحبہ نے سنا تو کہا ؎

نے نے غلط است کا فتاب محشر
بر نیزہ بر آمد و قیامت برپاست

نقل ایک دفعہ باغ میں تشریف فرما تھیں موج طبیعت جو آئی تو ایک نرگس کا پھول سر میں لگا لیا۔ عاقل خاں نے جو اکثر بیگم صاحبہ کو دیکھنے جایا کرتا تھا۔ پھول کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا ؎

نرگس زدہ بر سر و ز شوق تو نرگس
خم کردہ رخ خویش کی رخسار تو بیند

زیب النساء نے فی البدیہ یہ جواب دیا ؎

این نرگس کہ تو دیدی بسر افسر من
بہ تماشائے تو بیروں شدہ چشم از سر من

نقل ایک بار ایک ایرانی شہزادے نے یہ فرد پڑھا۔

مقرر کردہ ام و ر دل ازیں درگاہ نخواہم رفت سر اینجا سجدہ اینجا بندگی اینجا قرار اینجا

بیگم صاحبہ نے فی البدیہ یہ کہا ؎

نقل ایک بار ایک بڑھیا کو درد زہ کی حالت میں دیکھ کر کہا ؎ اے صدف تشنہ گہر و سوختہ نیساں [illegible]

چہ آساں دیدہ زاہد طریق عشقبازی را
تپ اینجا آتش اینجا اخگر اینجا شعلہ نار اینجا

تضمین تو اس خوبی کی کرتی تھی کہ سبحان اللہ!

ایک بار مشاعرہ میں طرح ہوئی ؎

صبا را شرم مے آید بروے گل نگہ کردن

بیگم صاحبہ نے لکھا ؎

صبا را شرم مے آید بروے گل نگہ کردن
کہ رخت غنچہ را وا کرد نتوانست تہ کردن

ایک دفعہ طرح تھی ؎

دُرِ ابلق کسے کم دید موجود

سب نے عمدہ عمدہ تضمینیں کیں۔ مگر زیب النساء کی تضمین لاثانی ہے

دُرِ ابلق کسے کم دید موجود
مگر اشک بتان سرمہ آلود

ایک مرتبہ طرح ہوئی ؎

آتش حسرت ز ہجرت در دل بلبل گرفت

اُس نے تضمین کیا ؎

در چمن خار جفا پیش ہمدمی با گل گرفت
آتش حسرت ز ہجرت در دل بلبل گرفت

ایک بار شاہ نے مصرعہ موزوں کیا۔

دلیراں را دلیری بعد مردن بیشتر باشد

بیگم صاحبہ نے دوسرا مصرع لگا کر شعر بنا دیا۔

دلیراں را دلیری بعد مردن بیشتر باشد
کہ چرم گرگ شیر افگن اثر پس مردن پر باشد

ایک بار کا ذکر ہے۔ مشاعرہ کی طرح تھی ؎

لخت لخت جگرم مضمحل آید بیروں

زیب النساء نے لکھا ؎

گر مرا شعلہ آہے ز دل آید بیروں
لخت لخت جگرم مضمحل آید بیروں

اس غزل میں دو شعر اور بھی ہیں جو لطافتِ مضمون کے باعث قابل اندراج ہیں ؎

مہر نایاب چناں گشتہ کہ از غایت یاس	اشک از چشم یتیماں خجل آید بیروں
خواہ در انجمن شاہ بود خواہ گدا	بے طلب ہر کہ رود منفعل آید بیروں

حافظ رحمتہ علیہ کی ایک غزل پر تضمین لکھی ہے۔ تضمین کیا کی ہے غضب ڈھا دیا ہے۔ وہو ہذا ؎

ظاہر نشد کہ مطلب ایں دار گیر چیست	رعنائے گل و چمن لالہ زار چیست
پر کن ز فوج رے کہ ندانیم کار چیست	خوشتر ز عیش و صحبت و باغ بہار چیست
	ساقی کجا است گو سبب انتظار چیست
ساقی بہار فصل جہان است روزگار	فصل دے تموز و خزان ست و نو بہار

باہر چہار فصل بود بادہ خوشگوار | ہر وقت خوش کہ وقت مغتنم شمار

کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

باشد چہ ابتدا ازل و انتہا عدم | موجود در میانہ کریم است ذوالکرم

ساقی بیار بادۂ گلگون و بجام جم | ایں موسم بہار و گل و روضۂ ارم

جز طرف جوئبار و مے خوشگوار چیست

بے اختیار کار نہ صبر است و اختیار | زاہد جوئے برائے خدا چیست کاروبار

ترک شراب و عشق خطا ہست در بہار | سہو و خطائے بندہ گرت نیست اختیار

معنی عفو و رحمت پروردگار چیست

دنیا و آخرت خود دیگر جمیلہ اند | آبادی و خرابی و مارا وسیلہ اند

گوئی دریں میاں ہمہ در مکر و حیلہ اند | مخمور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند

با دل بعشوہ کہ وہم اختیار چیست

اوراکہ جام مے نتواند کسے خموش | حرفے ازیں ترانہ نخواہد کسے خموش

صوفی بایں نوا برساند کسے خموش | زاہد درون پردہ نداند کسے خموش

اے مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست

عاشق نشان داغ خود از داغ لالہ خواست | مخمور نشہ از مے صاف و پیالہ خواست

زیب النساء مراد خود از آہ و نالہ خواست | زاہد شراب کوثر و حافظ پیالہ خواست

تا در میانہ خواستہ کردگار چیست

باوجودیکہ ایسے معرکے روز ہوتے تھے مگر رسم پردہ برابر قائم رکھی
چھوٹی چھوٹی عمر تک کے بچوں کو سامنے آنے کی ممانعت تھی +

ایک دفعہ ایک ایرانی شہزادے نے جو شاعر تھا اور بیگم صاحبہ کا خواستگار بھی تھا طرحی غزل میں یہ شعر لکھا ہے

ترا اے مہ جبیں بے پردہ دیدن آرزو دارم
جمال ہائے حسنت را رسیدن آرزو دارم

بیگم صاحبہ اُس کے مطلب کو تاڑ گئیں اور دوسرے روز جو غزل لکھی اس میں پڑھا ہے

بلبل از گل بگزرد گر در چمن بیند مرا
بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا
ہچو بو پنہاں شدم در برگ گل مانند گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

کہتے ہیں کہ علمی شغلوں کی دُھن میں لگے رہنے کی وجہ سے اور لوگوں کی تعریف سے اُس کے دماغ میں وہ مغائرت پیدا کر دی تھی کہ اُس نے کسی کی بی بی بنکر تابعداری کرنا اپنی عمر کے کسی حصہ میں گوارا نہ کیا۔ مگر یہ بیان درست نہیں معلوم ہوتا۔ ہاں دوسری بات کہ اُس کے چچاؤں اور عموی زاد بھائیوں کے ساتھ جو اُس کے باپ نے سلوک کئے تھے اُن کو دیکھ کر بے ثباتی دنیا کا نقشہ دل میں کھنچ گیا اور لذائذ دنیوی سے نفرت ہو گئی تھی۔ قرین قیاس ہے *

مگر ایک تیسرا بیان ان دونو بیانوں کی تردید کرتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ عالمگیر نے اُس کی نسبت دارا شکوہ کے بیٹے سے کر دی تھی۔ لیکن جب

اُس کو ہلاک کرا دیا۔ تو اُس کے دل پر سخت صدمہ گزرا اور باپ کے اُس کام کو گو وہ کسی پولٹیکل مصلحت سے ہی کیا گیا تھا۔ سخت ناپسند کیا اور دوسری جگہ نسبت کرنا چاہی تو صاف انکار کر دیا +

بہر حال تمام عمر تارک رہی اور خاوند نہ کیا۔ اور اسی وجہ سے لوگ اُسے متہم کرتے ہیں۔ کہ اُس نے نفسانی خواہشات سے مجبور ہو کر عاقل خاں نامی اپنے باپ کے وزیرزادہ سے وہ ناجائز تعلقات پیدا کرنے چاہے جن کو اہل اسلام سخت معصیت اور اعلےٰ درجہ کی رسوائی اور بیعزتی خیال کرتے ہیں۔ مگر اس کا سچا اور صاف ثبوت کہیں نہیں ملتا اُس کے حالات پر جو تھوڑے بہت ملتے ہیں اجب غور کیا جاتا ہے۔ تو ہم اُسے لوث سے بالکل مبرّا پاتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عاقل خاں سے اُس کا خاص انس تھا۔ مگر وہ صرف اس کے ہمعصر شاعر ہونے کے باعث سے تھا اور وہ پاک محبت تھی۔ گو وہ اُنس باعث تکلیف ہؤا۔ مگر جیسا لوگوں کا خیال ہے مندرجہ ذیل شعر سے غلط ثابت ہوتا ہے۔

قسم بکعبۂ حاجات و احمد مرسل
کہ پاکباز ترئے من باعثِ گناہ من است

مجملاً اس طرح بیان ہے کہ شروع ۱۱۰۱ھ میں۔ شہنشاہ عالمگیر بیمار ہوئے حکیموں نے تبدیل آب و ہوا کی صلاح دی۔ شاہ کو دار السلطنت سے باہر جانا پڑا اور پنجاب تشریف لائے۔ جب لاہور میں آئے تو یہاں کی آب و ہوا طبیعت کے موافق پائی۔ شاہ نے یہاں زیادہ عرصہ تک ٹھیرنا

چاہا اور قبائل و حرم کو بھی اسی جگہ بلوالیا۔ زیب النساء بیگم بھی یہاں آئی مگر شاعری کا سلسلہ ساتھ ہی لائی۔ مشاعروں کا بازار گرم ہوا اور شعر و اشعار کے چرچے شروع ہوگئے۔

اندنوں نواب عاقل خاں لاہور کا ناظم تھا اور دہ ہزاری کے اعلےٰ منصب پر ممتاز تھا گو خود بھی شاعر تھا۔ مگر لاجواب مضامین جو زیب النساء بیگم کی اعلےٰ طبیعت کا نمونہ ہوتے تھے سن سن کر دنگ ہوتا تھا۔ آخر الامر ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

اُس کے سر میں شوق دیدار سما گیا۔ آنکھوں سے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ مختلف ذرایعہ سے کوشش کی۔ نامہ و پیام بھیجے۔ مگر جب کچھ پیش نہ چلی تو ہر روز حفاظت شہر اور گشت کے بہانہ سے نود محلّات کے اردگرد چکر کاٹنے لگا۔ ایک دن جب نواب صاحب قلعہ کے شمال کی جانب دیوار سے نیچے نیچے جارہے تھے۔ اس وقت زیب النساء بیگم اتفاقیہ گلناری رنگ کا جوڑا زیب بدن کئے ہوئے بام قلعہ پر ٹہل رہی تھی۔ نواب صاحب کی نظر اُس گل زینت و باغ حسن پر جا پڑی۔ دیکھتے ہی عنانِ اختیار ہاتھوں سے جاتی رہی۔ دل قابو سے نکل گیا۔ عشق کی وہ آگ جو پہلے کچھ یونہی سی سلگ رہی تھی۔ اب بھڑک اُٹھی چہرہ عرق عرق ہوگیا۔ خادم نے مضطرب دیکھ کر سبب مزاج دریافت کیا عاقل خاں

بے تحاشا باآواز بلند بولا ؎

سُرخ پوشے بلب بام نظر مے آید

زیب النساء نے یہ آواز سنکر نیچے کی طرف دیکھا تو ایک خوبصورت نونہال کو جس کی آنکھوں نے شاید تئیس بھاریں بھی نہ دیکھی ہونگی یا بمشکل اتنے ہی موسم سرما کے کڑاکے جاڑے اس کے سر سے گذرے ہونگے مصرع بالا کو مکرّر دہراتے سنا ہو۔ سمجھ گئی کہ میری ہی نگاہ ناز سے زخمی ہو گیا ہے۔ ذرا زیادہ غور سے دیکھنے لگی۔ اتنے میں پہلے کی طرح پھر عاقل خاں نے پڑھا۔

سُرخ پوشے بلب بام نظر مے آید

یہ بھی حاضر جواب تھی بھلا اس سے کب رہا جاتا تھا۔ فی البدیہ بولی ؎

نہ بزاری نہ بزور و نہ بزر مے آید

اتنا کہ کر پیچھے ہٹ گئی۔

نامراد محبت کا دستور ہے کہ دونو گھروں میں آگ لگاتی ہے ؎

عشق اول در دلِ معشوق پیدا میشود

تا نسوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود

جب تک عاقل خاں کو آنکھوں سے نہ دیکھا تھا۔ نامہ و پیام سب رد

---

۱ عاقل خاں۔ عالمگیر کے وزیر کا بیٹا تھا۔ شاہ نظر عاطفت اُسے لاہور کا ناظم کر دیا تھا۔ تن و توش میں مضبوط اور جیالا جوان تھا۔ جوانی اور تندرستی چہرے کے سُرخ اور سفید رنگ ہی سے اپنی جھلک دکھا رہی تھی۔ گو وہ بہت حسینوں میں نہ تھا مگر صورت ایسی بھی نہ تھی کہ کوئی نگاہ اُس پر پڑے اور سرسری

ہوتے تھے۔ آج اُس کی محبت ادھر بھی اثر کر گئی۔ مگر مبادا راز افشا ہو جائے۔ بڑے ضبط سے کام لیا۔ اور گھر کو پھر گئی۔ عاقل خاں بھی واپس ہؤا۔ مگر دل وہیں چھوڑ آیا +

کچھ دنوں تک دونو خاموش رہے۔ مگر دونو کے دل کسی کام میں نہ لگتے تھے۔ ایک دوسرے کے دیکھنے کو ترستے تھے +

زیب النساء بیگم کو بھی چونکہ لاہور کی آب و ہوا بہت پسند آگئی تھی اس لئے اُس نے اُس سڑک پر جو انار کلی کی طرف سے ملتان کو جاتی ہے۔ ایک باغ بنوانا چاہا۔ اور عمارت شروع کرادی۔ ایکدن جب کہ باغ تیار ہو رہا تھا۔ معاینہ کے واسطے تشریف لیگئی۔ عاقل خاں نے بھی سراغ لگانا شروع کیا۔ کہ شہزادی نے آج کدھر کا عزم کیا ہے جب پتہ لگ گیا تو موقع غنیمت سمجھ کر باغ تک پہنچا۔ معلوم ہؤا کہ بارہ دری تیار ہو گئی ہے۔ اوپر کے مکانات زیر تعمیر ہیں۔ مگر اندر جانے کی کوئی صورت نہیں۔ شاہی پہرہ کے سپاہی چاروں طرف گشت کر رہے ہیں۔ عاقل خاں اُس وقت عقل کو کام میں لایا۔ اور جلدی سے واپس آکر مزدوروں کا بھیس بدل۔ گارے کا کونڈا سر پر رکھ۔ بے تکلف پہرہ کے اندر گھس گیا اور اُس جگہ پہنچ گیا جہاں مستری کام کر رہے تھے۔ عین

(بقیہ نوٹ) گذر جائے جتنوں سے بھی چہرہ کی طرح رعب و داب ہویدا تھا قدرت سے ہی اُس نے کچھ نقش و نگار ایسے موزوں پائے تھے کہ اُس کی صورت کے دیکھنے والوں میں اُس کی عظمت یا عزت یا باتیں کرنے کی آرزو فوراً پیدا ہو جاتی تھی +

اُسی مرکان کے سامنے ایک تیار شدہ عمارت میں شہزادی سہیلیوں کے ساتھ چوسر کھیل رہی تھی۔ عاقل خاں نے اشارہ کیا۔ مگر چونکہ شہزادی کھیل میں مصروف تھی۔ اُس نے نہ دیکھا۔ تب بلند آواز سے بولا ؎

"من در طلبت گرد جہاں میگردم"

اتنا کہ کر مستری سے مخاطب ہؤا اور کہا۔ "گیر استاد آہک"۔ زیب النسا آواز سنتے ہی تاڑ گئی اور کھیلتے کھیلتے کہا ؎

"گر بادشوی بر سر زلفم نرسی"

اور سہیلیوں سے بولی "شش پنج دو یک"۔ جلدی کھیل ختم کر کے چوسر اُٹھائی +

بادشاہ کچھ دنوں رہکر دارالسلطنت کو واپس تشریف لیجا چکے تھے صرف زیب النساء بیگم تکمیل عمارت کے لئے یہاں رہ گئی تھی۔ فلک بیرحم کا قاعدہ ہے ؎

یہ دو دل کو یک جا بٹھاتا نہیں

کسی کا اسے عیش بھاتا نہیں

ایک بار کسی خواص سے شکر رنجی ہو گئی۔ اور اُس نے ایسی ویسی خبریں بادشاہ کے کان تک پہنچا دیں۔ بادشاہ یہ سنکر نہایت ہی برہم ہؤا۔ اور زیب النساء کو دہلی میں بلا کر شادی کرنے پر مجبور کیا۔ جب شہزادی نے دیکھا کہ بغیر میری شادی کئے بادشا

باز نہیں آئیگا۔ تو دست بستہ عرض کی کہ نکاح رسول مقبول کی سنت ہے۔ حکم خدا اور رسول کے بجالانے سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر میری آرزو یہ ہے کہ تمام اعلٰے درجہ کے اراکین دولت اور اعیان سلطنت کی تصاویر آپ طلب فرمائیں۔ اُن تصویروں کو دیکھ کر جس شخص کو میں پسند کروں۔ اُس کے ساتھ میری شادی کر دیجائے بادشاہ نے اس تجویز کو پسند کیا اور تمام ذی رتبہ لوگوں کی تصویریں منگوائیں +

زیب النساء بیگم نے عاقل خاں ہی کی تصویر کو پسند کیا۔ بادشاہ نے اُس کے نام رقعہ لکھا کہ "برخوردار زیب النساء بیگم کی شادی مجھے منظور ہے اور اُس کا میلان طبع تمہاری طرف پایا جاتا ہے۔ اگر تمہیں حکم خدا و رسول اپنے عقد زوجیت میں لانا منظور ہے تو آؤ" ادھر یہ شاہی رقعہ بھیجا گیا۔ اُدھر ایک امیر نے حسد کے مارے خفیہ طور پر ایک خط عاقل خاں کو لکھ بھیجا کہ "دختر شاہ سے عشق کرنا بازیچۂ اطفال نہیں ہے۔ شاہ کو آپ کی کارروائیوں کی خبر پہنچ گئی ہے۔ اب آپ دہلی تشریف لائیے اور اپنے عشق کا انجام بھگتئے۔" ان دونو کے خطوں کے پہنچنے سے عاقل خاں کو خیال گذرا کہ ضرور میرا راز افشا ہو گیا اور بادشاہ بغیر جان لئے پیچھا نہیں چھوڑیگا۔ بہتر ہے کہ نوکری سے ہاتھ اُٹھاؤں۔ یہ سوچ سمجھ کر بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ شادی تو درکنار مجھے نوکری بھی منظور نہیں شاہی نمک میں نے بہت کھایا ہے۔ اب معاف رکھا جاؤں۔ اور ساتھ ہی نوکری

سے علیحدہ ہو کر خفیہ طور پر دہلی چلا آیا۔ زیب النساء بیگم کو جب یہ خبر اُڑتے اُڑتے پہنچی تو اُسے از حد افسوس ہؤا۔ اور ایک محرم راز کو لکھا ؎

شنیدم ترک خدمت کرد عاقل خاں بنادانی

حامل رقعہ لیکر جا رہا تھا۔ راستہ میں عاقل خاں مل گیا اور اُس نے پوچھا "کدھر جا رہا ہے"۔ اُس نے کل حال بیان کیا۔ عاقل خاں نے وہ رقعہ لے کر اُس کی پشت پر لکھ دیا ؎

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

اور حامل رقعہ کو کہ دیا کہ "جا شہزادی کے پاس اسے واپس لیجا بس یہی جواب ہے"۔ کچھ دنوں بعد سلسلہ آمد و رفت پھر شروع ہو گیا۔ عاقل خاں اکثر اوقات زیب النساء بیگم کے پاس جاتا تھا۔ شاہ کو لوگوں نے خبر دی مگر چونکہ کچھ ثبوت نہ تھا اور اپنے ناموس کا بھی پاس تھا۔ اس لئے مصلحت وقت سوچ کر چپ ہو رہا۔ مگر جاسوس مقرر کر دئے۔ کہ جب عاقل خاں آئے حضور میں خبر دیجائے۔ ایک روز زیب النساء بیگم باغ میں تھی۔ عاقل خاں بھی موجود تھا۔ خبرداروں نے خبر کر دی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ فوراً ایک دستہ سپاہ جاکر تمام باغ کا ایسا مضبوط محاصرہ کرے کہ ہوا تک باہر نہ جاسکے۔ حکم حاکم مرگ مفاجات۔ فوراً اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور اورنگ زیب باغ میں داخل ہؤا۔ کسی خواص نے یہ خبر زیب النساء بیگم اور عاقل خاں تک بھی پہنچا دی

دو تو یہ خبر وحشت اثر سنکے بید کی طرح تھرتھرانے لگے منہ پر ہوائیاں
اُڑنے لگیں۔ عاقل خاں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا کہ مجھے کہیں چھپاؤ
زیب النساء جو خود حواس باختہ ہو رہی تھی۔ کہنے لگی کہ کہاں چھپاؤں
مگر جان ایسی عزیز ہوتی ہے۔ کہ اُس کے بچاؤ کی خاطر انسان اکثر ناجائز
حفاظت بھی کر گزرتا ہے۔ زیب النساء نے عاقل خاں کو ایک بڑی
سی دیگ میں بٹھلا کر سرپوش سے ڈھک دیا۔ اور نگزیب نے
باغ کا پتہ پتہ چھان مارا۔ مگر کہیں اُسکا پتہ نہ ملا۔ آخرالامر تمام خواصوں کو
بلا کر پوچھا۔ کسی کو دھمکایا۔ کسی کو انعام کا وعدہ فرمایا۔ مستورات کمزور
طبیعت مشہور ہیں۔ ایک خواص نے بتلا دیا کہ فلاں دیگ میں چھپا
رکھا ہے بس پھر کیا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر فوراً اس دیگ کے
پاس آیا۔ اور زیب النساء بیگم کو بلوا کر پوچھا۔ کہ اس دیگ میں کیا
ہے۔ زیب النساء نے ڈرتے ہوئے کہا۔ کہ پانی گرم کرنے کے لئے
بھرا ہوا ہے۔ شاہ نے کہا پھر گرم کیوں نہیں کیا گیا۔ بولی ابھی تیار
ہو جاتا ہے۔ شاہ نے کہا ابھی اس کے نیچے آگ جلا دو۔ زیب النسا
دم بخود ہو گئی۔ دو طرفہ مصیبت میں گرفتار تھی۔ باپ کے حکم سے بھی
نافرمانی نہیں کر سکتی تھی۔ اور عاشق صادق کو بھی چولھے پر نہیں
دھر سکتی۔ کچھ دیر تک خاموش رہی۔ مگر جب شاہ نے دوبارہ باصرار
حکم دیا تو جان لیا کہ باپ اس بدقسمت جانباز کی جان لئے بغیر نہیں
رہیگا۔ مجبوراً دیگ کے نیچے آگ جلوا دی۔ اور دبی ہوئی آواز سے

دیگ کے پاس کھڑے ہو کر کہا ؎
دم بانش مثال کلہ بارے

یعنی اے عاقل خاں اگر تو میرا عاشق صادق ہے۔ تو میری ناموس کی خاطر جان دیدینا۔ مگر آواز نہ نکالنا جیسے بکرے کی سری پک تک کر گل جاتی ہے مگر آواز نہیں نکالتی۔ دل جس طرف لگا ہوا ہوتا ہے اُس کے حصول کے واسطے انسان اخیر دم تک امیدوار رہتا ہے۔ زیب النساء نے آگ بہت آہستہ آہستہ جلوائی۔ اس خیال سے کہ بادشاہ چلا جائے۔ تو نیم بسمل ہی نکال لوں مگر۔ ع
تقدیر کے لکھے کو مٹاتا نہیں کوئی

بھلا قضا کیونکر ٹلتی۔ جب تک دو ڈھائی من لکڑیاں دیگ کے نیچے نہ جل چکیں اور اُس کا گوشت گل کر حلیم نہ ہو گیا۔ اورنگ زیب بیٹھا رہا۔ مگر واہ رے عاشق صادق القدمی ہو تو ایسی ہو۔ جل کر راکھ ہو گیا مگر اُف تک نہ کی۔ ڈاکٹر برنیر نے اس واقعہ کو بچشم خود دیکھا تھا اور اپنے سفرنامہ میں درج کیا ہے۔ وہ کہتا ہے میں نے کبھی کسی کو ایسی بہادری اور ثابت قدمی سے جان دیتے نہیں دیکھا۔ نہ سنا جیسا کہ عاقل خاں نے جان دی +

بعض مورخ لکھتے ہیں کہ عاقل خاں کو جلا کر اورنگ زیب نے اپنی بیٹی کو بھی قید میں ڈال دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس بات پر نہیں۔ بلکہ شہزادہ اکبر سے جو باپ سے باغی ہو گیا تھا۔ خط و کتابت

کرنے کی وجہ سے زیب النساء قلعہ سلیم گڑھ میں قید کی گئی تھی۔ بہرحال کسی باعث سے قید ہوئی ہو۔ مگر قید میں ضرور رہی۔ جس کا ذکر وہ خود بعض غزلوں میں کرتی ہے۔ مثلاً ؎

دردا کہ ز قید ستم آزاد نگشتم | یک لحظہ ز غمہاے جہاں شاد نگشتم
گرچہ پا ز نجیر مخفی زد بدیوار غمم | شکر اللہ کز جفاے ہمگناں آلودہ ام
دل من اسیر مخفی بہ بلاے ہجر تاکے | بجز ہواے وصلت گنہ وگر ندارم
تا مرا زنجیر در پاے دل دیوانہ شد | دوست شد دشمن مرا و آشنا بیگانہ شد

بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ قید میں رہائی کے لئے تڑپتی تھی اور دن گنتی رہتی تھی۔ چنانچہ ایک شعر میں کہتی ہے ؎

مخفی امید رہائی تا بروز حشر نیست
خاک غربت ہر کرا در مہد دامنگیر شد

جب اسیری سے رہائی ہوئی۔ تو باقی عمر دہلی میں اقامت گزین رہی مگر گوشہ تنہائی اختیار کر لیا تھا۔ اور سب سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ ہاں! اپنی تاریکی کے اُجالے اور تنہائی کے رفیق۔ یعنی شاعری سے تھوڑا بہت سروکار رکھا تھا۔ جس سے وہ زمانے کی بیوفائی۔ حاسدوں اور حریفوں کے بے جا مظالم کی شکایتیں کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ کہتی ہے۔ ؎

(۱) دگر مخفی چہ فکر نام و ننگ است
حریفاں چون ترا بد نام کردند

(۲) روز نومیدی چو آید آشنا دشمن شود
غم جدا شادی جدا دولت جدا دشمن شود
نیست مخفی دردل با ما کسے چوں دشمنی
ہر کہ با ما دشمن است او با خدا دشمن شود

(۳) شکوہ از بیگانگاں و آشنایاں چوں کنم
مخفیا روز ازل بخت زبونم دادہ اند

چونکہ خود تجربہ ہو چکا تھا۔ ایک مقام پر کہتی ہے۔ کہ معاملہ عشق میں کسی کو ہمراز نہ بنانا چاہئیے ؎

رہ عشق است اے مخفی مجرد بایدت رفتن
کہ گر عیسےٰ بود ہمراہ رفاقت رانئے شاید

ناصر علی نے ایک بار ایک قطعہ لکھ کر خدمت میں روانہ کیا ؎

ز رعنائی نکردی سیر بیروں از مقام خود
کہ چوں طاؤس در صد چاہ تاریکی بدام خود
تماشا کردہ ام باغ و بہار بیدماغی را
پس از عمر علی بر خویش میخوانم کلام خود

مگر اس کا جواب کچھ نہ آیا۔

اس مقام پر ایک اور لطیفہ بھی قابل اندراج ہے۔ بیگم صاحبہ بعد رہائی جب دہلی میں تشریف فرما تھیں۔ تو یہ قطعہ اپنے حسب حال لکھا ؎

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نشد
کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد
صد بہار آخر شد و ہر گل بفرقے جا گرفت
غنچۂ باغ دلِ ما زیب دستارے نشد

یار لوگوں نے جو خواہ مخواہ اس سے چھیڑ چھاڑ رکھا کرتے تھے۔ جب اس قطعہ کو سنا تو اس پر طرح طرح کے مذاق اڑائے اور پیروز خاں نے ایک مصرعہ اپنی طرف سے لگا کر اُس کو مخمس کر دیا ؎

پیر شد زیب النساء لیکن خریدارے نشد

وفات

آخر وقت تک دہلی میں ہی اقامت گزیں رہی۔ ۱۱۱۰ھ میں ایک دن شام کو بھلی چنگی سوئی۔ رات کو تشنگی معلوم ہوئی۔ خادمہ نے پانی دیا۔ صُبح کو تپ معلوم ہوئی۔ سات روز بیمار رہی۔ اور آٹھویں دن راہی ملکِ عدم ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

محمد محی الدین عالمگیر اس وقت پٹھان پور میں تھا۔ وہیں اُسکا وصیت نامہ منگوایا۔ مرحومہ کے بموجب نعش لاہور میں لائی گئی۔ اور اُس باغ میں جو اُس نے نواں کوٹ کے قریب بنوایا تھا۔ دفن کی گئی تاریخ وفات اس کی جو کسی شاعر نے لکھی ہے بہت ہی عجیب ہے ؎

آہ زیب النساء بحکم قضا ناگہاں از نگاہ مخفی شد

منبع علم و فضل و حسن و جمال ہمچو یوسف بچاہ مخفی شد
سال تاریخ از خرد جستم گفت ہاتف کہ ماہ مخفی شد

اس باغ کو معہ ایک مقبرہ کے زیب النساء اپنی واسطے اپنی حین حیات میں تیار کرایا تھا۔ چار دیواری اس باغ کی پختہ اور چار دروازے تھے اب شمالی دروازہ اور دروازہ کلاں شرقی موجود ہیں۔ مشرقی دروازہ کلاں کے چاروں گوشوں پر چار منقطع برجیاں کانسی کار بارہ بارہ در کی بنی ہوئی ہیں۔ دروازہ کی وسعت اس قدر ہے کہ ہاتھی بمعہ عماری گذر سکتا ہے۔ مگر زمینداروں نے اب اُسے بند کر دیا ہے۔ اس دروازہ کی عمارت اور نشست گاہیں قابلِ دید ہیں۔ یہ دروازہ اب ایک نمبردار کے قبضہ میں ہے اور جولاہے کرایہ دار رہتے ہیں۔ شرقی باغ کے دروازہ کے گوشوں پر جو دو برج شالامار باغ کے برجوں کی طرح کے ہیں اب تک موجود ہیں۔ دوسری ڈیوڑھی شمالی بھی قدیم ڈیوڑھی ہے جس میں اب گاؤں والوں کی آمدورفت ہے اور ایک خورد دروازہ جنوب کی طرف ہے۔ نصف باغ میں اب موضع نواں کوٹ آباد ہے۔ کیونکہ مقبرہ زیب النساء بیگم اس باغ کے وسط میں تھا اور اب غربی دیوار موضع کے ساتھ ملحق ہے۔ اپنے وقت میں نہایت آراستہ تھا اور شالامار باغ سے دوسرے درجہ پر گنا جاتا تھا۔ اس باغ کی سڑکیں سب سنگ سرخ کی تھیں اور حوض اور شاہ نشینیں سنگ مرمر کی۔ مقبرہ بھی نیچے سے اوپر تک سنگ مرمر کا تھا اور طلائی خالص کا

کلس اُسپر نصب تھا +

جب سلطنت اسلامیہ جاتی رہی اور سکھا شاہی تاریکی نے پنجاب کو گھیر لیا اور لاہور میں تین حاکم ایک شہر کے مقرر ہوئے تو مقبرہ مع باغ نواب وزیر خاں۔ عمارات شمالی سمت لاہور وغیرہ سوبھا سنگھ احد الحاکم کے ماتحت آگئیں۔ اس کے اہلکاروں میں ایک شخص محکم دین نامی از قوم ارائیں تھا اور یہ تمام باغات اُس کے سپرد تھے اُس نے اس باغ کو باجازت سوبھا سنگھ اپنا مسکن بنا کر آباد کیا اور اس کا نام نواں کوٹ رکھا۔ غربی دیوار اُس نے گرا کر مکانات بنوائے۔ فوّارے سنگ مرمر کے اور خیاباں سب اکھڑوا دیں۔ حوضوں کو بند کروا دیا۔ پتھر فروخت کر دئے۔ مگر مقبرہ بدستور رہنے دیا۔ اب جا کر دیکھو تو اور بھی بوسیدہ ہو گیا ہے۔ اگر جلد تر اس کی خبر نہ لی گئی تو ایک دن کھنڈر ہو جائیگا اور عنقریب کوئی نشان ایسا باقی نہ رہیگا۔ جس سے معلوم ہو کہ ہندوستان کے بے نظیر شاعرہ کہاں اور کس جگہ دفن ہوئی تھی +

باوجودیکہ زیب النساء کفائت شعار تھی۔ تاہم اُسکی فیاضیاں بہت مشہور ہیں۔ صرف چار لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر اُس کے نام تھی جو علمی شوق کے پورا کرنے میں خرچ ہوتی تھی۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ بچا کر مختلف فیاضیوں میں خرچ کرتی تھی۔ ہر سال سینکڑوں حاجیوں کو اپنے پاس سے زاد راہ دیکر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھیجتی تھی۔

ہزارہا یتیم بچوں اور بیواؤں کی پرورش اُس کی طرف سے ہوتی تھی۔ لاہور کا باغ جو بنام "چوبرجی والا باغ" مشہور ہے۔ اُس نے اپنی کفایت شعاری سے روپیہ بچا کر بنوایا تھا۔ ایک دن باغ میں تشریف فرما تھیں۔ میا بائی بھی ساتھ تھی۔ باتوں باتوں میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر چل پڑا۔ آہ سرد بھر کر بولی۔ حضور عمارات اور اولاد سے کچھ مدت کے لئے دنیا میں نام رہجاتا ہے۔ ایک ہم ہیں کہ خدا نے اولاد بھی زندہ نہ رکھی اور نہ اتنا روپیہ دیا ہے کہ کوئی عمارت بنوا کر چند روزہ نام چھوڑ جاتے۔ ان الفاظ کا زیب النسا کے دل پر اتنا اثر ہؤا کہ اُس کی رگِ فیاضی جوش میں آگئی۔ اور اُس نے دایہ کی دیرینہ خدمات پر نظر کر کے یہی باغ اُس کو عطا کر دیا۔ مشرقی دروازہ پر جو قطعہ لکھا ہؤا ہے وہ یہ ہے۔

بنا پذیر شد ایں باغ روضۂ رضواں

(دوسرا مصرع خراب ہو گیا ہے پڑھا نہیں جاتا)

بگشت مرحمت ایں باغ بر میّا بائی

ز لطف صاحب زیبندہ بیگم دوراں

اب باغ نہیں رہا صرف چند ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات انارکلی کے جنوب کی جانب باقی رہ گئے ہیں۔ مگر تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ باغ اپنی صنعت میں اعلےٰ درجہ کا نمونہ تھا۔ چونکہ اس میں چار مینار دروازہ پر تھے۔ اس لئے یہ باغ اب تک چوبرجی والا باغ کے نام سے مشہور ہے اس باغ کا عالیشان محرابی دروازہ مشرق کی سمت ہے۔ دونو طرف چوکیاں

بنی ہیں اور اندر دروازہ کے شمال و جنوب کی سمت دو شہ نشینیں دو منزلہ بنی ہیں۔ مینار ہشت پہلو مقطع ہے۔ جس پر کانسی کا کام ہے۔ اندر کی عمارت پر بھی کانسی کا کام نظر آتا ہے۔ دروازہ کلاں کے اوپر دو فٹ نیچے منڈیر سے مطوّل کتبہ ہے۔ اس میں قرآنی آیات میں سے وہ متبرک آیت جس کا نام آیت الکرسی ہے۔ بخط عربی تحریر ہے۔ دوسرے کتبہ میں اشعار بخط فارسی تحریر ہیں۔ اس دروازہ کی منڈیروں کے نیچے تین کھڑکیاں قالبوتی بنی ہوئی ہیں۔ اندر جاتے ہی شمال و جنوب میں مثمن مکان ہے جس کی چھتیں قالبوتی اور گنبدی ہیں۔ اس کے آگے ایک اور مکان قالبوتی جس کے دو درجے ہیں موجود ہے۔ اس سے آگے متصل مینار غربی ایک عمدہ شہ نشین بنی ہوئی ہے۔ اس پر کانسی کا کام ہے اور منزلِ ثانی کے دروازوں پر دونو جانب مرغول پر لفظ اللہ تحریر ہے اور بازار جنوبی پر ایک کتبہ ہے جس پر کچھ لکھا ہوا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا صرف اس قدر پڑھا جاتا ہے ؎

...... بر و ساخت۔ مبا بائی چوں روضہ عالی ارم

اوپر جانے کے لئے اب کوئی راستہ نہیں ہے اور نہ اندر کی محراب موجود ہے۔

باغ کی موجودہ حالت

آہ وہ باغ جو ایک دن باغ ارم کا نمونہ ہوگا۔ آج ناگفتہ بہ حالت میں ہے

ہائے وہ چمنستان۔ جس میں سیر کناں کے دماغ خوشبوؤں سے معطر ہوتے ہونگے آج جنگل ہوگیا ہے۔ وہ نسیم سحری جو اس گلزار سے گذر کر پژمردہ دلوں میں جان سی ڈالدیتی ہوگی۔ آج باد سموم کے ہموزن چل رہی ہے۔ باغ ویران ہوگیا ہے۔ پھولوں کی کیاریوں میں سکھوں کی دست برد سے ایک بوٹا تک نہیں بچا زمینداروں نے روشوں اور خیابانوں کو بگاڑ کر فصل بونے کے کھیت بنالئے ہیں البتہ کہیں کہیں پرانے درخت جو دست برد اور حوادث زمانہ سے بچ رہے ہیں اُس کی پرانی عظمت اور شان کی شہادت دے رہے ہیں۔

وہ مقبرہ جس میں شہزادی زمانے کے جھگڑوں سے آزاد اور آرام و راحت میں میٹھی نیند سوتی ہے اُسکی صورت ایسی متغیر ہوگئی ہے کہ دہلی کے کھنڈرات بھی اُس سے اچھے نظر آتے ہیں۔ ٹوٹے پھوٹے گنبد اور شکستہ چار دیواری کچھ ایسی بے سر و سامانی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے کہ دیکھتے ہی انقلاب روزگار کا نقشہ آنکھوں میں کھنچ جاتا ہے ٭

مولف ایک دن دیکھنے کے لئے وہاں گیا تو دیرینہ لوگوں سے معلوم ہُوا کہ ایک شخص محکم الدین ارائیں کا جس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو جنگ کے موقع پر بہت مدد دی تھی۔ مہاراجہ کے آگے بہت اقتدار ہوگیا تھا۔ چنانچہ ہر ایک امر میں خواہ ملکی ہو یا خانگی رنجیت سنگھ اُس سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ ادھر ایک طوائف موراں نامی کا ایسا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ اقتدار تھا یہانتک کہ موراں شاہی گز اور موراں شاہی باٹ اس کے نام پر چلتے تھے۔ نور جہاں کی طرح موراں شاہی سکہ بھی اُس کے نام پر تھا۔ ایک دن رنجیت سنگھ کے روبرو ہی کسی بات پر

موراں طوائف اور محکم الدین میں بگڑ گئی اور نوبت بانیجار سید کہ موراں نے کہا اگر تیرے سر پر ٹوکرا رکھوا کر ٹکے ٹکے کلساگ نہ بکواؤں تو موراں میرا نام نہیں محکم دین نے جواب دیا جو تجھ سے ٹکے ٹکے پر ابھلانہ کرایا تو مجھے محکم دین نہ کہنا اس طرح کی علانیہ گفتگو مہاراجہ رنجیت سنگھ کو سخت ناگوار گذری اور وہ محکم دین سے یک لخت پھر گیا اور موراں کی ایما سے دوسرے دن اُس کی جائیداد کی ضبطی کا حکم دیا اِن دنوں بارہ دری قلعہ کے آگے بن رہی تھی۔ وہاں پتھر کی ضرورت تھی۔ سکھ جب مکان ضبط کرنے کو نیا کوٹ گئے تو پتھر تک اُتروا لائے اور مقبرہ ویران کر آئے ؎

آں قصر کہ بر چرخ ہمیزد پہلو — بر درگہ او شہاں نہادند رو
دیدیم کہ بر کنگرہ اش فاختہ — بنشستہ ہمیگفت کہ کو کو۔ کو کو

پچھلے دنوں میں گورنمنٹ نے پرانے عمارات کی مرمت پر کچھ روپیہ صرف کیا تھا دیرینہ اور شکستہ عمارات کی فہرست بنائی گئی تھی تو اس مقبرہ کا نام بھی لکھا گیا تھا۔ اُسوقت چونہ سے تھوڑی بہت پچہ کاری ہو گئی تھی۔ مگر اب پھر وہی حال ہے ٭

اس مقبرہ پر خدا جانے کس کا قبضہ ہو گیا ہے۔ جس نے چاروں دروازوں کو پھونس کی ٹٹیاں لگوا کر بند کر دیا ہے اور اُس میں مرغیاں پال رکھی ہیں جس سے مقبرہ غلاظت سے بھرا رہتا ہے اور مرغیوں کی حفاظت کے لئے ایک کتا پالا ہوا ہے جو زایروں کی مزاج پرسی کر لیتا ہے اور اُس وقت کسی کی پیشین گوئی جو دہلی والوں کے بارے میں تھی یاد آجاتی ہے ٭

جنگل کے وحشی جانور تجھ میں بسیرا لینگے اور تیرے گھروں میں نہایت منحوس جانور چیخیں اور چلائینگے۔ دروں پر الّو پاسبانی کرینگے۔ اور عشرت منزلوں میں بندر ناچینگے +

زیب النساء بیگم اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ علم دوست تھی۔ لائق آدمیوں کی قدر کرتی تھی۔ مصنفوں اور شاعروں کو اُن کی تصانیف کے صلہ میں مالا مال کرتی تھی۔ اُس نے خوشنویسوں اور کاتبوں کو نوکر رکھ کر عمدہ اور لاجواب او نایاب کتابوں کی نقلیں بہم پہنچائیں اور اس طرح سے وہ لاجواب کتبخانہ قایم کیا جس کا شہرہ ایران اور توران تک پہنچ گیا۔ کشمیری کاغذ اور وہاں کے خوشنویس چونکہ اُس زمانہ میں بہت مشہور تھے اس لئے زیب النساء نے بچت کا لحاظ کر کے محمد محی الدین عالمگیر سے اجازت حاصل کی اور وہاں کتابت کا دفتر قائم کیا۔ وہاں سے کتابیں تیار ہو کر اُس کے پاس آتی تھیں۔ اس دفتر کا انتظام ملا محمد شفیع الدین صاحب کے سپرد تھا اور اُنکو تنخواہ بھی زیب النساء کی سرکار سے ملتی تھی۔ مُلا صاحب نے باتمداد مُلا عنایت احمد صاحب کلام مجید کی تفسیر بنام زیب النساء تالیف کی اور اس خوبصورتی اور آراستگی سے تیار کرایا کہ خود عالمگیر دیکھ کر پھڑک گیا۔ یہ نسخہ اب تک دولت ایران کے کتبخانہ میں موجود ہے +

ایک مثنوی مولوی معنوی کے ڈھنگ پر لکھی گئی ہے۔ مگر چھپی نہیں اس مثنوی میں کوئی ۲۰ ہزار شعر ہونگے۔ معرفت کا دریا بہا دیا ہے۔ اور کتابیں بھی بنام نامیہ تصنیف ہوئی تھیں۔ مگر اب پتہ نہیں چلتا ہے +

اس کا قاعدہ تھا کہ صبح اُٹھ کر حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر نماز پڑھتی تھی۔ بعدہٗ تلاوت قرآن شریف۔ پھر کتابیں جو تیار ہو آتیں اُنکا مطالعہ پھر کسی دیوان کو لیکر دیکھتی تھی۔ اُس میں سے جو طرح پسند آتی اُس پر آپ غزل لکھتی تھی۔

دیوان حافظ کا اکثر مطالعہ رہتا تھا اور زیادہ تر غزلیں دیوان حافظ کی طرح پر لکھی گئی ہیں۔ اور عمدہ لکھی گئی ہیں۔

لوگوں کا یہ بھی بیان ہے کہ شروع میں جو غزلیں لکھتی تھی مقطع میں اپنا تخلص نہیں رکھتی تھی۔ بلکہ دارا شکوہ کے نام (جس کے ساتھ اُس کا بہت پیار تھا) موسوم کرتی تھی۔ دیوان دارا شکوہ میں اکثر غزلیں اس کی تصنیف سے ہیں چنانچہ دیوان داراشکوہ کا پہلا شعر یہ ہے۔ شعر

همه موجود ور دبود ما
گنج مخفی است ایں نمود ما

سو یہ اشارہ زیب النساء کی طرف ہے۔ جس نے دیوان مرتب کرنے میں بہت کچھ مدد دی تھی۔ اس میں جائے کلام نہیں کہ شاعری میں اُس نے فنا فے الشعر کا رتبہ حاصل کر لیا تھا۔ دن رات اُسے شعر بنانے کی دُھن لگی رہتی تھی۔ مگر افسوس کہ اُس کی آنکھ بند ہوتے ہی خاندان تیموریہ میں فتنہ و فساد برپا ہو گئے۔ جو ایک عرصہ دراز تک فرو نہ ہو سکے۔ ایسے وقت میں علمی معلومات کی طرف توجہ ہونا ناممکنات سے ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ زیب النساء کی ساری تصانیف اب تک دستیاب

نہیں ہو سکیں۔ اور نہ تو اور دیوان بھی مکمل نہیں ملتا۔ اس کے اشعار اس پریشانی سے اِدھر اُدھر بڑے ہوئے ہیں۔ کہ جن کا سمیٹنا نہایت ہی دشوار ہے اور اسی باعث سے کوئی اس تکلیف کو گوارا نہیں کرتا۔ ۱۱۳۵ھ میں اس کا کلام جو دستبرد اور حوادث زمانہ سے بچ رہا تھا جمع کیا گیا۔ اور دیوان مخفی نام رکھا گیا مگر یہ بالکل نامکمل تھا۔ اسمیں صرف ۴۲۱ غزلیں اور چند رباعیات تھیں اور سن ۱۱۴۱ھ میں پھر کوشش کیگئی اور بہت سے زیادہ غزلیں اور ملیں جو دیوان میں شامل کیگئیں بعدہٗ اس کی بہت سی نقلیں بھی کیگئیں۔ اور جہانتک ہو سکا زیادتی بھی ہوتی گئی۔ مولف نے بہت سے نسخے دیکھے ہیں۔ مثلاً

پہلا نسخہ۔ مولوی حسن علی اکبر آبادی کے ہاتھ کا لکھا ہؤا ہے۔ سنہری جدول ہے خط نہایت پاکیزہ مگر گنجان۔ خاتمہ پر سنہ ۱۱۴۸ھ تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاید پہلا نسخہ ہوگا جو دیوان مرتب کرنے کے بعد نقل کیا گیا تھا۔

دوسرا نسخہ۔ خط نسخ میں ملا۔ مگر اکثر مقامات پر کتابت میں غلطیاں تھیں کاتب کا نام پڑھا نہیں جاتا۔ صرف . . . . خاں بیگ پڑھا جا سکتا ہے سنہ بھی مٹ سا گیا ہے۔ مگر جب خوردبین سے دیکھا گیا تو ۱۱۹۶ یا ۱۱۷۶ معلوم ہوتے ہیں۔

تیسرا نسخہ۔ مسٹر مور کے پاس دیکھا گیا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اُنہیں کابل میں ہاتھ لگا تھا۔ یہ بہت عمدہ ہے۔ اس نسخہ کی خوبی نہ صرف اس کی صحت اور خوشخطی پر منحصر ہے۔ بلکہ جدولوں پر نہایت ہی خوبصورت کام کیا ہؤا ہے۔ سنہ کتابت تو معلوم نہ ہو سکا۔ مگر بوسیدگی کاغذ و طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت پرانا ہے۔ کم از کم سنو سال کا لکھا ہؤا ہوگا +

چوتھا نسخہ۔ منشی رحیم بخش صاحب (پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ) کے پاس سے آیا یہ گو خوشخط نہیں ہے۔ مگر اس میں غزلیں سب سے زیادہ ہیں۔ یہ تازہ لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ تو بھی چالیس سال سے کم پرانا۔

پانچواں نسخہ۔ سید بہادر شاہ صاحب سوداگر عجائبات کے پاس سے ملا۔ گو اسکا خط معمولی اور بے قاعدہ ہے۔ مگر اکثر مقامات پر غلطیاں پائی گئیں۔ جو کاتب کی کم علمی کے باعث سے تھیں۔ کاتب کا نام حسن علی ہے۔ مگر سنہ کتابت ندارد ہے +

چھٹا نسخہ۔ ایران کا چھپا ہوا تھا۔ یہ بھی مثل نسخہ بالا کم و بیش غلط تھا مگر خط پاکیزہ تھا +

ساتواں نسخہ۔ پنجاب پبلک لائبریری میں دیکھا گیا ہے۔ یہ بھی قلمی ہے مگر صحت اور خط میں نہایت وقعت کے قابل ہے۔ یہ سنہ ۱۲۱۳ھ کا لکھا ہوا ہے

آٹھواں نسخہ۔ مطبع نولکشور لکھنؤ کا چھپا ہوا مگر نامکمل ہے۔

نواں نسخہ۔ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ کا چھپا ہوا مگر نامکمل ہے۔

دسواں نسخہ یہ بھی مطبع نولکشور لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے۔ اس کا کاغذ بہ نسبت دونو پہلوں کے قدرے عمدہ ہے اور خط بھی صاف ہے۔

گیارھواں نسخہ۔ یہ بھی منشی نولکشور کے مطبع کا چھپا ہوا ہے۔ اس میں چند اور غزلیں زیادہ ہیں۔

بارھواں نسخہ۔ ایضاً

تیرھواں نسخہ ۔ ایضاً

چودھواں نسخہ - ایضاً

پندرھواں نسخہ - یہ بھی مطبع منشی نولکشور کا چھپا ہوا ہے مگر کانپور میں طبع ہوا۔ اس کے ۱۲۰ صفحہ ہیں۔ خط معمولی مگر غلطیاں بہت۔

سولھواں نسخہ - یہ آفتاب پریس کا چھپا ہوا ہے اور عمدہ طور سے تکمیل کو پہنچایا گیا ہے۔ کاغذ اور کتابت لایق تعریف ہے مگر نامکمل ہے۔

سترھواں نسخہ - یہ لاہور میں چھپا ہے۔ مگر ایسا عمدہ نہیں جیسا ہونا چاہیے۔

افسوس زمانہ کی ناقدردانی نے اسکی محنت کی داد اچھی طرح سے نہ دی۔ سوائے ایک دیوان کے اور کوئی اسکی تصنیف نہیں چھپی ہے۔ دیوان بھی جو آجکل بازاروں میں ملتا ہے بالکل نامکمل ہے۔ دیوان کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے کلام میں بلند پروازی رنگینی۔ نازک خیالی وغیرہ تو بہت کچھ ہے مگر تاثیر کم۔ سو اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ عورت تھی اگر مرد ہوتی تو خدا جانے کیا ستم ڈھاتی۔ پھر بھی ہر ایک بات کو نہایت خوش اسلوبی سے نبا ہا ہے۔ تمثیل تشبیہ۔ استعارہ کو اپنی صنعت میں نئی ترکیب دیکر ایسی دستکاری اور میناکاری کی ہے کہ بعض بعض مقام پر ہمعصر تو کیا شعراے متقدمین سے بھی میلوں اونچی اڑ گئی ہے۔ شوکت الفاظ زبان حال سے چلا چلا کر بتلا رہی ہے کہ اگر قصیدہ مدحیہ لکھتی تو لاجواب لکھتی مگر اُسطرف توجہ ہی نہیں ہوئی البتہ نعتیہ قصیدے لکھے ہیں سو اُنکا طرز ہی جدا ہوتا ہے۔ ایران میں اسکا دیوان خوب مقبول ہوا ہے۔ وہاں کے قدر شناسوں نے اُس کو قبولیت کی الماری میں بڑی خوشی سے جگہ دی ہے۔ کیونکہ زبان نہایت ہی سادہ اور طرز بیان دلکش اور دلفریب ہے اور زمانہ کے مذاق کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے۔ اسکا کلام

ہندوستان میں بھی نہایت عظمت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اس کی عظمت اور بزرگی زیادہ تر اس بات سے مفہوم ہوتی ہے کہ یہاں والوں نے اُسکے بہت سے مضامین کو تھوڑا اسا رد و بدل کر کے اردو کا لباس پہنا کر فخر کیا ہے۔ چنانچہ زیب النساء کا شعر ہے۔ شعر

بس کہ در دل داغ دارم لالہ روید از زمیں + بعد مردن گر مرا مدفوں بزیر گل کنند

اس مضمون کو اردو زبان کے شاعر نے یوں لیا ہے۔

پھول نرگس کے اُگینگے قبر پر + مر گیا ہوں انتظار یار میں

دوسرا شعر ہے

بزیر خاک بہ نعشم چہ حاجت کفن است + شہید تیغ محبت ز خوں کفن دارد

اس کا ترجمہ یوں لیا ہے۔

ہمیں غسل میت کی حاجت ہو کیونکر + ہم اپنے ہی خوں میں نہائے ہوئے ہیں

ایک اور شعر ہے۔

حق بمجنون است ترک کوے لیلے میکند + عشق چوں غالب شود مسکن بیاباں میشود

ترجمہ مضمون۔

ہم تو مرینگے یار کی دیوار کے تلے + مجنوں کو تھا جنوں جو بیاباں میں رہ گیا

ایک اور شعر

در نہاں خونیم ظاہر رنگئے تار کنم + رنگ من و ہر من نہاں چو رنگ سرخ اندر حناست

ترجمہ۔

ظاہر میں میرے حال کو سرسبز جانو + باطن میں پر از خون ہوں مانند حنا کے

عرب اور عجم کے شعراء کے کلام نے زیادہ تر عشق اور حسن کے دلچسپ مکالموں

کے باعث سے فروغ پایا ہے۔ اسکی وجہ یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ عجم کے لوگ گل و بلبل کے مضامین کی بہ نسبت نیچرل مضامین کی زیادہ قدر کرتے تھے اور جب شعرا نے جن کو عام کی جانب سے واہ واہ حاصل کرنا ہر وقت مدنظر ہوتا تھا۔ لوگوں کی طبیعت کو اسطرف گرویدہ دیکھا تو شہرت حاصل کرنیکے واسطے اسی طرف زور طبیعت لگانا شروع کردیا اور نازک سے نازک باریکیاں نکالیں *

چونکہ ہندوستان شاعری کے فن میں ایران کا مقلد ہے۔ اس لئے زیب النساء بیگم کو بھی تقلید کرنی پڑی اور پرانی ہی طرز کو اختیار کیا تاہم سارے دیوان میں ایک بھی ایسی غزل نہ ہوگی جسمیں اُس نے کمال آزادی اور حق گوئی سے اہل دنیا کو نصیحت اور پند سے ممنون نہ کیا ہو۔

بلکہ اسکا سارا دیوان ہی معرفت اور موعظت کا دریا ہے۔ اس مقام پر اُسکے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے بخوبی تصدیق ہو سکتی ہے۔ چنانچہ کہتی ہے۔

(۱) زمانہ کی شکایت بے جا ہے۔

زبان حوصلہ باد ا بریدہ آنکس را * کہ پیش غیر شکایت ز روزگار کند

(۲) وقت کو غنیمت سمجھو۔

فرصت شمر غنیمت و دریاب فیض عمر * گلچیں بزعم بلبل و بلبل بخواب گیر

(۳) تکلیف اٹھائے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

نے نیش الم لذتے از نوش نیابی * بر بستر غم مایہ مقصود بسر گیر

(۴) عشق بُرا ہے۔

ہر کرا در سر فتاد اندیشہ سودائے عشق * نیست آنرا جز بآہوے بیابان اختلاط

(۵) روٹی کے پیچھے قدر گنوانا عقلمندی نہیں۔

خواہی کہ آبروے نریزی بزیر خاک ✤ بر سفرۂ زمانۂ دوں چوں مگس مباش

(۶) بیجا خاموشی بھی ولیل نادانی ہے۔

بکشا زباں بگفت شنود ہوائے نفس ✤ چوں مرغ نکتہ سنج اسیر قفس مباش

(۷) سفر آخرت کے لئے ہمیشہ تیار رہو۔

زد طبل رحیل سفرت قافلۂ عمر ✤ مخفی منشیں غافل و در فکر سفر باش

(۸) ایضاً

عمر شد حرف ہوائے وقت رفتن در رسید ✤ پیروی تا چند مخفی نفس کافر کیش را

(۹) غیر کی مصیبت میں ساتھ دو اور اُسکی دلجوئی کرو۔

ہر کجا بزم مصیبت گرم گردد در جہاں ✤ در تکلم بلبل و در سوختن پروانہ باش

(۱۰) غیر مجلس میں جاؤ تو سلیقہ برتو۔

رو بزم ادب راہ چو یابی بادب باش ✤ بکشا لب گفتار خود و گوش بلب باش

(۱۱) مصیبت کے وقت گھبرانا نہیں چاہئے۔

نالہ در ہنگام محنت عاقبت دوں ہمتست ✤ نیست یکساں کار عالم مخفیا مردانہ باش

(۱۲) بدنام ہو کر پھر نیکنام بننا بہت ہی مشکل ہے۔

آلودگی ز دامن عصمت نمیرود ✤ صد رہ بآب دیدہ اگر شست شو کنم

(۱۳) گناہوں سے توبہ کرو اتوبہ

ہر کہ بدر یا غفور روے خجالت نہاد ✤ سر بفلک میکشد رفعت ایوان او

(۱۴) دولت دین عزلت سے حاصل ہوتی ہے ✤

دولتے خواہی کہ باشد پائدار و برقرار + نیست ایں دولت میسر غیر کنج خلوتے

(۱۵) ہمت نہ ہارو

منکہ صد حاتم طے در نظرم شل گداست + حیف باشد کہ گدا طبع و گدا دل باشم

(۱۶) موت سے مت ڈرو کیونکہ یہ اٹل ہے۔

بر سر اجل نشستہ بیم مرگ چیست + خلق و عالم رفتہ اند ایں راہ من ہم میروم

(۱۷) یار شاطر بنو نہ بار خاطر

بر طبع اہل مجلس مخفی گراں نماید + پروانہ جاں فشاند گر بر چراغ ہر دم

(۱۸) مال و دولت پر نازاں نہ ہو۔

مکن تکبر دولت مناز بر لشکر + کہ از ادائے مخالف غنی گدا گردد

(۱۹) اندھے کے آگے رونا آنکھوں کا زیان ہے۔

پیش لا یعقل ز دانش دم زدن بیہودگیست + گفتگوئے عقل را بامردم عاقل کنند

(۲۰) عالم بے عمل اور جاہل یکساں ہیں۔

میان عالم و جاہل برابر از موے + تفاوتے نبود تاکہ علم بے عمل است

(۲۱) محنت سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔

گر بچشم تربیت بیند فروغ آفتاب + ہر کجا سنگے بود لعل بدخشاں مے شود

(۲۲) ہر چہ باشی باش لیکن اندکے زردر مباش۔

بکار کسے نمے آید ہنر مخفی درینعالم + خر عیسے اہنر مند است گر در کیسہ زر دارد

اب ہم اُس کے دیوان کی ذاتی خوبیوں پر نظر ڈالتے ہیں اور ان مقولوں

حاشیہ ؎ ایک شعر ملا جامی صاحب کا بھی اسی مضمون پر ہے۔
اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو + کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقا را۔

اور اشعار کو نقل کرتے ہیں جو زیب النساء کی تصانیف سے ہیں اور آجکل تقریر و تحریر دونوں میں مستعمل ہیں مگر یہ ملحوظ خاطر رہے کہ ہمیشہ وہ اقوال ضرب المثل بننے کے قابل ہوتے ہیں۔ جن کا مضمون عام لوگوں کے حسب حال ہو اور الفاظ سیدھے سادے ہوں اور طرز بیان میں لطافت پائی جائے۔ سو یہ خاصیت زیب النساء بیگم کے کلام میں موجود ہے اور اُس کے شعروں میں ضرب المثل ہونے کی قابلیت ہے۔ مثلاً

(۱) دام ہر کس کہ بگیرد در بیاباں وحش و طیر
دست اعجاز محبت گردن آہو گرفت

(۲) آرے آرے در طریق خوبرویاں داد نیست

(۳) نشتر الماس را با دیدہ سودن مشکل است

(۴) گر آفتاب بود شمع روشنائی است

(۵) مفلس ہمیشہ منتظر خوان حاتم است

(۶) نومید نباید شدن از گردش ایام
ہر شام کہ آید ز پے آں سحرے ہست

(۷) بستہ بہ آں لب کہ از گفت و شنو خاموش نیست

(۸) زبان شکوہ کشودن ز غیر بخیر ولیست
مرا کہ دشمن جانی ہمیں زبان بس است

(۹) نو عروس دہر را دیدار و اما وے بس است

(۱۰) بہر کجا کہ روم یار ہمزبان من است

(۱۱) بر پشت کتابے کہ بود حرف تو ارتخ
مضمون حروفش ہمہ اجزائے کتاب ست

(۱۲) نومید نباید شدن از گردش ایام
شامے بجہاں نیست کہ او را سحرے نیست

(۱۳) در محبت امتیاز خسرو فرہاد نیست

(۱۴) کف ہمت بلنداں بے درم نیست

(۱۵) نہ ہر سر تاج و تخت سروری یافت
نہ ہر اسکندرے پیغمبری یافت
نہ در ہر چشمہ آب حیات است
نہ ہر آئینۂ اسکندری یافت

(۱۶) نہ ہر خضرے دریں رہ رہبری یافت

(۱۷) طالب دیدار را وادی ایمن گلشن است

(۱۸) قطرہ قطرہ رفتہ رفتہ موج دریا مے شود

(۱۹) عاشقاں را مسکن و ماوا بیابان ست و بس

(۲۰) نہ بر وفائی تو بستن تواں دل امید
نہ جفائے تو قطع نظر تواں کردن
نہ راز عشق تو بتواں نہفتن اندر دل
نہ غیر خویش کسے را خبر تواں کردن

(۲۱) ہم دین و ہم دل بردۂ ہم قصد جانہا کردۂ

توبر شناسائی خود ایں فتنہ برپا کردہ

(۲۲) من زدل تنگ دل زمن تنگ است

صحبت ما چو شیشہ سنگ است

ص مخفیا کے رسی بکوچۂ دوست

ص (۲۰) زیب سرگشت تنگ است

ہم زیب النساء کے کلام کا شعراء قدیم کے کلام سے موزانہ کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اُسکا کلام اُن کے کلام کے آگے کیا رُتبہ رکھتا ہے +

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را — دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

دو روز مہر گردوں افسانہ ایست افسوں — نیکی بجاے یاراں فرصت شمار یارا

کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز — باشد کہ باز بینیم آں یار آشنا را

در حلقۂ گل و مُل خوش خواند دوش بلبل — ہات الصبوح ہبوا یا ایہا السکارا

اے صاحب کرامت شکرانہ سلامت — روزے تفقدے کن درویش بینوا را

آسایش دو گیتی تفسیر ایں دو حرفست — با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

در کوئے نیکنامی ما را گذر ندادند — گر تو نمے پسندی تغیر کن قضا را

آئینہ سکندر جام جمست بنگر — تا بر تو عرضہ دارم احوال ملک دارا

سرکش مشو کہ چوں شمع از غیرت بسوزد — دلبر کہ در کف او موم است سنگ خارا

گر مطرب حریفاں ایں پارسی بخواند — در رقص و حالت آرد پیران پارسا را

آں تلخ وش کہ صوفی ام الخبائثش خواند — اشہے لنا و احلی من قبلۃ العذارا

ہنگام تنگدستی در عیش کوش مستی	کیں کیمیاے ہستی قاروں کند گدارا
خوبان پارسائی گو بخشندگاں عمراند	ساقی بدہ بشارت پیران پارسارا
حافظ بخود نپوشید این خرقۂ مے آلود	اے شیخ پاکدامن معذور دار مارا

زیب النساء بیگم

غم میکند فزونی ایدوستاں خدارا	شاید نہفتہ ماند این راز آشکارا
مارا چو موم بگداخت ایں آتش محبت	تا چند باشدت دل در سینہ سنگ خارا
مردیم گردش چرخ رحمے نکرد بر ما	تا کے تواں بدشمن صاحبدلاں خدارا
مستی و تنگدستی بدنام خلق سازد	با طرز نشہ چہ نسبت درویش بینوارا
کشتی عمر بشکست در بحر نا امیدی	مشکل کہ باز بینم دیدار آشنا را
حاصل نشد چو گاہے کامے زتیر تدبیر	تدبیر را گذارم گردن نہم قضارا
بگذشت موسم گل شد نالہاے بلبل	تا کے شراب مستی یا ایہا السکارا
برباد رفت در غم یاراں ذخیرۂ عمر	باشد کہ گردش چرخ فرصت دہد شمارا
اے خسرو زمانہ بکشاؤ چشم بنگر	در نامۂ سکندر احوال ملک دارا
یاران بزم عشرت مخفی و کوے محنت	با عافیت چہ کار است درویش بینوارا

حافظ رحمت اللہ علیہ

خوشتر ز عیش و صحبت باغ بہار چیست	ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست
معنئے آب زندگی روضۂ ارم	جز طرف جوئبار و مے خوشگوار چیست

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار	کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست
پیوند عمر بستہ بموئیست ہوشدار	غمخوار خویش باش غم روزگار چیست
راز درون پردہ ز رندان مست پرس	اے مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست
مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند	با دل بعشوہ کہ دہیم اختیار چیست
سہو و خطائے بندہ گرت نیست اختیار	معنے عفو رحمتِ پروردگار چیست
زاہد شراب کوثر حافظ پیالہ خواست	تا درمیان خواستہٴ کردگار چیست

زیب النساء بیگم

باغ و بہار آب روان این ہمہ چیست	دلبر بکام و بادہ بکف انتظار چیست
فرصت شمر غنیمت و داد نشاط دہ	حیران این خیال ز انجام کار چیست
ممکن چو نیست دیدن آئینہٴ مراد	چندین شکایت از ستم روزگار چیست
بہر دو روز عمر گرامی مدہ بباد	اندیشہ ہائے باطل این کاربار چیست
گر خون دل ز دیدہ تراوش نداشتی	سیلاب خون ز دیدہ مرا در کنار چیست
اے دل اگر بدشت محبت زبون نئی	چون بیدلان بہر دولت نالہ زار چیست
مخفی بقدر طاعت ما گر عطا کنند	در روز حشر رحمتِ پروردگار چیست

گو ایک ایک دو دو غزلوں کے مقابلہ کرنے سے مساوات اور برابری کا حکم لگایا نہیں جاسکتا۔ تاہم جب ایک عورت کے کلام کا اور عورت بھی وہ جس نے ہندوستان میں ہی نشوونما پائی ہو اور جو کچھ سیکھا اسی جگہ سیکھا مرد کے کلام سے موازنہ کرتے ہیں۔ تو اُسے ہر طرح کی رعایت کا مستحق سمجھتے ہیں

لیکن یہاں پر ہم کسی کی طرفداری نہیں کرینگے اور جو کچھ راے دینگے۔ وہ بلا طرفہ ہوگی +

ناظرین کو معلوم ہے کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کلام کس درجہ کا ہے اور اُس نے کتنا کچھ پایہ حاصل کیا ہے اور خصوصاً سارے دیوان میں سے حافظ صاحب کی۔ "دل میرود ز دستم الخ" اور "غم میکند فزونی" الخ کا مقابلہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دونو صورتیں ایک شکل کی ہیں اور دونو کی ایک ہی زبان ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک مطلب کو دونو نے جدا جدا ادا کیا ہے۔ حافظ صاحب رحمۃ علیہ کا مصرعہ

دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا"

جس لطافت اور خوش اسلوبی کے ساتھ متکلم کی حسرت کا فوٹو کھینچ سکتا ہے اس سے بہتر کوئی اسلوب سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ مگر زیب النساء بیگم کا شعر غم میکند فزونی اے دوستاں خدارا + شاید نہفتہ ماند ایں راز آشکارا بھی حسن بیان اور بلاغت میں تقریباً ویسا ہی اعلےٰ درجہ کا ہے۔ جیسا حافظ رحمۃ صاحب کا۔ حافظ صاحب تاسف فرماتے ہیں کہ راز پنہاں آشکارا ہوا چاہتا ہے۔ اے دوستو خدا کے واسطے مدد کرو۔ جس سے استدعا اور مدد کی درخواست ظاہر ہوتی ہے۔ مگر زیب النساء کے شعر میں ایک خوبی اور بھی زیادہ ہے۔ اُسمیں علاوہ درخواست کے نتیجہ سے بھی اطلاع دیدی ہے کیونکہ کہتی ہے کہ اگر کوشش کرو تو شاید راز نہفتہ ہی رہے +

اس سے کسی پر حرف گیری کرنا میرا مقصد نہیں۔ اور نہ زیب النساء بیگم

کے کلام کو حافظ کے کلام پر ترجیح دینا - دیوان حافظ ایک ایسی کتاب ہے
جسے لسان الغیب کہا جاتا ہے اور مقبول جہاں ہے شستگی زبان کے لئے
اُسے مستند اور معتبر مانا جاتا ہے تاہم موازنہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے
کہ مخفی کلام بھی مقابلہ میں کمتر نہیں ہے - اور اُسکو بھی زبان کی حیثیت
سے وہی رُتبہ دیا جاتا ہے - جو مقدم الذکر کو + دوسری غزل جس کا مطلع
خوشتر ز عیش صحبت باغ و بہار چیست + ساقی کجا است گو سبب انتظار چیست
ہے - واقعی لطافت مضامین کے باعث لاجواب ہے - جس کے پڑھنے سے
ظاہر ہو رہا ہے کہ باغ ہے - بہار ہے - شیرۂ شیراز موجود ہے - اور ایک
ایرانی کسی کے انتظار میں بیقرار ہے - آنکھیں دروازہ پر لگی ہوئی ہیں مگر
اب بیقراری حد سے گذر گئی ہے اور کسی کو کہ رہا ہے کہ - ع

ساقی کجا است گو سبب انتظار چیست

واقعی ایک حسرت زدہ اور مضطرب کے ارمانوں کا فوٹو ایسا ہی ہوتا ہے
لیکن جب ہم زیب النساء کے مطلع کو دیکھتے ہیں - تو اُس میں ایک اور لطف
حاصل ہوتا ہے وہ کہتی ہے باغ بھی ہے بہار بھی ہے - ساقی بھی ہے
پیالہ ہاتھ میں لئے ہوئے ہے - اب کس کا انتظار ہے جلدی پیو -
گو کہی ہوئی غزل پر کہنا آسان ہے - پھر بھی جو لطافت یہ پیدا کر جاتی
ہے تڑپا دیتی ہے +

مرزا محمد علی صاحب المتخلص بہ صائب ہمعصر تھے اور عموماً زیب النسا
کی غزل پر غزل کہتے تھے - ان کی دو غزلیں بھی لکھی جاتی ہیں اور انصاف

مرزا محمد علی صاحب

در حریم پاکبازی بوریا را بار نیست
عشق عالم سوز را با کفر و ایمان کار نیست
کاسهٔ منصور خالی بود پر آوازه شد
ما سبکروحان مدارا با رفیقان میکنیم
بیقراران بے نیاز از کعبه و بتخانه اند
در پس دیوار محرومی گریبان میدرم
هر کہ پیراهن بیدنامی درید آسوده شد
بر نیاید صبر با مژگان خواب آلود او
بر رگ جانها نه پیچد تا پریشان نیست زلف
توبهٔ هم صحبتان در خاطر ما پا نیست
کهربا نتواند از دیوار جذب کاه کرد
طوطی از آئینه میگوید مے آید بحرف
میزند هر قطره باران چشمکے بر ساقیان
بیتوان در سینهٔ بے کینه عکس رو دید
پیش ما صائب کہ رطل خسروانی میزنیم

فقر را با نقشبندان تعلق کار نیست
گردن ما در کمند سبحه و زنار نیست
ورنه در میخانهٔ وحدت کسے هشیار نیست
ورنه بوے پیرهن را کاروان در کار نیست
ریگ را در قطع راه هرگز بمنزل کار نیست
گرچه محرم تر ز من کس در حریم یار نیست
بر زلیخا طعن ارباب ملامت عار نیست
هیچ جوشن مانع این تیغ لنگر دار نیست
نبض دلها را نگیرد چشم تا بیمار نیست
راه امن بیخودی را کاروان در کار نیست
جذبهٔ توفیق را با تن پرستان کار نیست
چون مرا در پیش رویش زهرهٔ گفتار نیست
کین چنین روز جز اینجا بر سرشار نیست
خانهٔ آئینه هم در بستهٔ زنگار نیست
گنج باد آور بغیر از آب گوهر بار نیست

نوّاب زیب النساء بیگم

بت پرستانیم با اسلام ما را کار نیست
غیر تارِ زلف ما را رشتۂ زنّار نیست

پیش ازیں اے عقل بر من طعنِ رسوائی مزن
زانکہ مستانِ محبّت را ملامت عار نیست

موسئے باید کہ پائے دل نہد بر دارِ عشق
بوالہوس بنشین کہ راہے کوچہ و بازار نیست

ہمدمی گر نیست اے دل روزِ محنت گو مباش
مونسے زندانیاں را بہتر از دیوار نیست

آشنایاں را چہ پیش آمد مروت را چہ شد
کز وفائی آشنائی در جہاں آثار نیست

لذت درد محبت را ز بیدرداں مپرس
قدر صحت را نداند ہر کہ او بیمار نیست

صبحدم باد صبا مے گفت با مرغِ چمن
نالہ را تاثیر نبود گر دلِ افگار نیست

زادۂ دردیم و از خونِ جگر پروردہ ایم
کوہ ہائے غم اگر آید چسے آزار نیست

مخفیا گر وصل خواہی با غمِ ہجراں بساز
کاندریں گلزارِ عالم یک گلِ بےخار نیست

مرزا محمد علی صاحب

نیست آساں خوانِ نعمتہائے الواں ریختن
برگریزانِ مکافاتست دنداں ریختن

سالہا گل در گریباں ریختی چوں نوبہار
مدّتے ہم اشک میباید بداماں ریختن

تلخیٔ منت حلاوت میبرد از مغزِ جاں
آبرو نتواں برائے آبِ حیواں ریختن

میتواند بلبلِ ما از غبارِ بال و پر
در گریبانِ خزاں رنگِ گلستاں ریختن

آں قدر موجِ حلاوت از دہانِ او کہ مو
میتواند قند ہا از شیرۂ جاں ریختن

نقدِ جاں صائب چرا از تیغِ او دارم دریغ
از مروت نیست آبروی مہماں ریختن

زیب النساء بیگم صاحبہ

کارِ معشوقان نمک بر زخمِ پنہاں ریختن	کارِ عاشق خونِ خود در پائے جاناں ریختن
نیست آساں پنجہ بر زلفِ پریرویاں زدن	خونِ دل میبایدا از دیدہ بداماں ریختن
گر نہادم داغ عشقت بر جگر معذور دار	باغباں را میرسد گل در گریباں ریختن
صحبت بیگانہ زاں دارم نتواے آشنا	کا بر و دشوار باشد پیش خویشاں ریختن
دیدۂ خود بر کشا مخفی دگر تا کے تواں	نقد عمرِ خویش را ہر سو پریشاں ریختن

ملا غنی صاحب بھی ہمعصر تھے - اُنکی اور زیب النساء بیگم کی ایک ایک غزل لکھی جاتی ہے - جس سے دونو کے زور کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے +

ملا محمد طاہر صاحب غنی

از نمازم نیست مطلب غیر سجدے جو دوست	میبرم از اشتیاق افتان و خیزان سوئے دوست
ماہ نو نتواند از روئے خجالت شد سپید	چوں سیاہی میکند از گوشۂ ابروئے دوست
تو نتیائے چشم مہر پر تو خورشید نیست	ما بنور دوست مے بینیم حسن روئے دوست
چہرۂ خود گر چہ ماہ از چشمۂ خورشید شست	گرد خجلت بر رخش ہست از صفائی روئے دوست
یک نفس منشین غنی تا فل زدامنگیر یش	تا نگر دی خاک ہرگز بر مخیز از کوئے دوست

زیب النساء بیگم صاحبہ مخفی

در چہ خوش باشد کہ بینم بار دیگر روئے دوست	در سجود آئیم بمحراب خم ابروئے دوست

هر نفس از رشتۂ کارم کشاید صد گرہ ‏ پنجہ گر بگرہ زنم چون شانہ گیسوی دوست
غنچۂ دل بشگفد در سینہ چوں گل در چمن ‏ دیدۂ دل را کند روشن نسیم بوی دوست
دیدۂ یعقوب گر روشن شود نبود عجب ‏ مژدۂ وصلے گر آرد قاصدی از کوی دوست
بادہ را لبریز کن ساقی و صحبت بر شکن ‏ تا بکام دل نشینم ساعتے پہلوی دوست
جوئے خون آرد بجائے شیر مخفی کوہکن ‏ نشنود از بیستون گر شمۂ از بوی دوست

عاقل صاحب

عاقل کا کلام بھی اچھا ہے۔ مگر افسوس زمانہ نے قدر نہ کی اور اس مرحوم کا کلام نہ چھپا اور نہ کسی نے سنبھال کر ہی رکھا۔ گو اُس کا ذاتی کمال تعریف اور شہرت سے بے نیاز ہے مگر چند روز کے بعد سواء افسوس کے اور کچھ ہاتھ نہ آئیگا۔ آج ہی یہ نوبت ہے کہ دو غزلیں بھی مکمل ہاتھ نہ لگ سکیں جو اس کتاب میں درج کی جاتیں ہاں ایک شعر ملا ہے جو تبرکاً ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ زیب النسا نے لکھا تھا۔

گرچہ من لیلی اساسم دل چو مجنوں ہوا ~~درست~~ ✣ سر بصحرا میزنم لیکن حیا زنجیر پاست

اس کے جواب میں عاقل نے لکھا

عشق تا خام است باشد بستہ ناموس و ننگ ✣ پختہ مغزان جنون را کے حیا زنجیر پاست

جواب الجواب

پاکبازان محبت را حیا باشد مدام ✣ چون تو مرغ بیحیا را کے حیا زنجیر پاست

زیب النساء بیگم نثر بھی بہت فصیح لکھتی تھی۔ ایک رقعہ کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ جس سے اُس کی لیاقت کا کافی طور پر اندازہ ہو سکتا ہے یہ رقعہ اس کے مرشد کے نام ہے اور خاص اس کے اپنے ہاتھ کا لکھا

ہؤا ہے۔ یہ رقعہ مفتی عصمت اللہ صاحب کے کتب خانہ میں موجود تھا
اب وہ کہتے ہیں کہ تھوڑا عرصہ ہؤا میر بخشیش علی صاحب انسپکٹر
ریلوے کو بطور تحفہ دیا گیا ہے +

خط ہذا

نقطہ پرکار تدویر وجود ہفتم۔ خط محیط صفحہ فلک ہشتم
حضرت پیر من ظلکم ابدا بہ۔ مردان خدا در ور سیدہ
زیب النساء فرمانے کہ دارد پا یانے ندارد۔ اگر از تجرید
خود دم نغر ید زنم رواست۔ من کہ بحضور گرفتار نہ بمعنے
خبر دار۔ یا لب دمساز ہمچو نے گفتہیا گفتنے ؎

آنکہ او از ہمزبانی شد جدا　　بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

حررہ زیب النساء

قطعات و رباعیات

زیب النساء بیگم کی رباعیات میں کوئی طرز خصوصیت نہیں جس
کا ذکر کیا جاوے سب میں حسن اور عشق یا پند و نصائح کا مضمون ہے
ذیل میں چند قطعات اور رباعیات جو سرسری نظر میں اچھی معلوم ہوئیں۔
نقل کی جاتی ہیں +

رباعی

اے آبشار نوحہ گر از بہر چیستی	چین بر جبین فگندہ ہم از بہر چیستی
دردت چہ درد بود کہ چون من تمام شب	سر را بسنگ میزدی و مے گریستی

رباعی

وائے بر شاعرانِ نا دیدہ	غلطۓ خود بخود پسندیدہ
سرو را قد یار مے گویند	سرو چوبے است نا تراشیدہ

رباعی

خانہ بتخانہ داشت ابراہیم	بود ابلیس را بگردوں راہ
عنایت نگر کہ آخر کار	ایں لعین گشت و آں خلیل اللہ

رباعی

ساقی بدہ آں مے کہ نشاط انگیزد	از جوشش و خوش او خرد بگریزد
یک قطرہ چو محتسب بریزد ساقی	خواہد کہ بحکم شرع خونش ریزد

رباعی

بشیرینی دہانت غنچہ را گفتار با بستی
با ستقبال قدت سرو را رفتار با بستی
چنین دردیکہ من دارم طبیبم یار با بستی
بجائے شربت قندم لب دلدار با بستی

قطعہ

ہر دم آزردگئ غیر سبب را چہ علاج
ما گذشتیم ز لطف تو غضب را چہ علاج
فرض کردم کہ بیاد تو دلم خورسندم
لیکن این دیدۂ دیدار طلب را چہ علاج
آنچہ بردل گذرد از غم ہجر تو مرا
یک بیک شرح وہم لیک ادب را چہ علاج
میتوان عشق نہان داشت ز مردم لیکن
زردئے رنگ رُخ و خشکئے لب را چہ علاج

رباعی

مہ چو فوارۂ سیماب بجوش است امشب
وقت میخواستن و رخصت ہوش است امشب
نامہ از جانب فرہاد بشیرین ببرید
کہ برائے تو ہوا شیر فروش است امشب

قطعہ

ہر دم ز دور لعل تو دیدن چہ فائدہ
دیدن نبات و زہر چشیدن چہ فائدہ
خوب آن بود کہ بر رُخ خویش نظر کنی
ورنہ ز غیر وصف شنیدن چہ فائدہ
مخفی ز دست یار چرا جامہ میدری
جاں پارہ ساز جامہ دریدن چہ فائدہ

رباعی

نہ جگرم خوں نہ سینہ چاک شدیم — سوختیم آں قدر کہ خاک شدیم
جانفشانی نبود بر دشوار — مژہ برہم زدیم پاک شدیم

دیوان مخفی

اے ز ابر رحمت خرم گل بستان ما — گفتگوے حرف عشقت مطلع دیوان ما
ہو ہمچو ما انا الحق گو ز شوق دار شد — تشنہ خون محبت ظاہر و پنہان ما
العطش گویان بتیغ فنا ہر گوشۂ — صد ہزاراں نوح غرق موجۂ طوفان ما
گر قبول افتد ز ما در زندگی یکجو نیاز — چوں سلیماں سر نہ پیچد دیو از فرمان ما
قطرۂ اشکے نیابد رہ بروے باد گر — خون دل چوں شد گہر بر ہر سر مژگان ما
در شکیبائی چو نے ابدال بہ آہ نالہ ساز — نیست چو درمان بدبرایں درد بیدرمان ما

گر ز ظلمات ہوس بیروں نہم مخفی قدم
رہ نیابد خضر سوے چشمۂ حیوان ما

خواہم کشم بدیدۂ آن خاک آستان را
بایوسۂ زلب دہ آن پاے پاسبان را

پوشیدۂ جذبہ عشق و من نسب محبت
سلطان لباس فاخرہ بخشد ملازمان را

تا کے بزعم دشمن در امتحان غنا ہم
بشناس بہتر کہ ازیں یاران جانفشان را

آخر دہد بطوفان بنیاد خانہ خویش
مرغ نظر چو بیند پر آب آشیان را

مفروش دیدہ ارزان گوہر بخاطر دل
یاران روا ندارند بر دوستان زیان را

بر حال زار بلبل رحمے کرشمہ کن گل
شاہان کشیدہ دارند بہر گدا عنان را

دادت خداے مخفی دُرّ سخن بہ مخفی
زین گونہ نیست دُرّے در سینہ بحر و کان را

گرچہ من لیلیٰ اساسم دل چو مجنون در ہواست
سر بصحرا میزنم لیکن حیا زنجیر پاست

بلبل از شاگردیم شد ہمنشین گل بباغ
در محبت کاملم پروانہ ہم شاگرد ماست

در نہان خونیم ظاہر گرچہ رنگ نازکم
رنگ من در من نہان چون رنگ سرخ اندر حناست

بسکہ بار غم بروں اندا ختم بر روزگار
جامہ نیلی کرد ابنگ بیں کہ پشت او دوتاست

دختر شاہم ولیکن رو بفقر آوردہ ام
زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النساء است

ہر کہ با سنگ ملامت ہمچو مجنون خو گرفت
پیش ارباب نظر چون گوہر آب و گرفت

دام ہر کس کہ بگیرد در بیابان وحش و طیر
دست اعجاز محبت گردن آہو گرفت

برندارم سر اگر صد خضر آید بر سرم
بسکہ الفت چشم گریان با سر زانو گرفت

بادشاہ حسن آخر شد اسیر قید زلف
تیرہ روئے آفتابے را بدام مو گرفت

آرزوے سایہ ما کے کند فرّ ہماے
مرغ دل ما آشیان سنبل گیسو گرفت

عاقبت از بیوفائی ہائے چرخِ کج خرام
مخفی بیچارہ رفت واز جہان یکسو گرفت

اے کہ از زلفِ سیہ بر رُخ نقاب انداختی
آتشے در سینۂ جان کباب انداختی

بے قرار آں موج سیماب رخت در رواں
عکسِ رخسارت مگر بر روئے آب انداختی

زنگاہت آب بے خاصیت آتش گرفت
خوش نگاہے دل بلائے از شراب انداختی

تا چراغ گل زعکس شمع رُخ افروختی
بلبل و پروانہ را در اضطراب انداختی

در دل ویران من تخم محبت کاشتی
چشم معموری برین ملکِ خراب انداختی

راہ خواہم زد خیالت در لباس شب وی
از خیال صد خلل در کار خواب انداختی

پرتو رخسارۂ خورشید عالم گیر شد
سایۂ تامثل ہما بر آفتاب انداختی

معصیت دادی زغفلت خرمن طاعت دیبا
بو رخطائم عاقبت بہر ثواب انداختی

گشت مخفی عاقبت سیل سرشک از موجہا
کشتئ اُمید را در موجِ آب انداختی

قصیدہ در بیان تصوف وحال عشق انگیز

زمستی گر برون آئی مراد جسم وجان بینی
ہماں کز دوریش صد داغ دلداری ہماں بینی

مرا از موشگافیہات ایدل حیف می آید
کہ مس را کیمیا دانی سخن را ارمغان بینی

زر ناقص عیارت را درین بازار نفروشی
کہ زر را بامحک در دست برو امتحان بینی

چو مرداں بر سرِ مردانِ ناکامی تحمل کن
گر تقدیر الٰہی را چو جورِ آسمان بینی

چو کامِ دل شود حاصل مشو غافل ز ناکامی
زباں در کام ہمت کش و پائے صبر در دامن
خجالت روشنی در دیدہ بینائی دل گیرد
ترا گر صد جگر باشد ز خود بند جگر خوارت
برائے خاطر این نفس کافر ہیچو پروانہ
چناں مشتاق عصیانی کہ تا سرحدِ نومیدی
تو گردوں ہمتے در اوجِ محنت بال نکشائی
بخون آلودہ دامان عصمت را و مینخواہی
ز غفلت رو بگردانی زپائے لذتِ طاقت
بدائے روپشیمانی علاجِ چشم کج بیں کن
زحالِ خود مشو غافل کہ مردانِ سرِ میدان
زوالش گر نشان داری بکن افشا کے راز دل
بزندان خاتمت نے بہر صحبت بہرِ آں کانجا
بعزم نیستی یکدم گر از ہستی بروں آئی
بروں آئی اگر از خود چو نور چشم نابینا
خرابی جہانِ بیوفا از آتش نفس است
وجودم را عدم داری ز نادانی خطا کردی
بروں کن پنبہ از گوش و بگوش دل سخن بشنو
غزل گفتی و در سفتی ولے با من بگو تا کے

ز روز غم بیاد آور چو خود را شادماں بینی
کہ فتح ملکِ دل در جوہرِ تیغ زباں بینی
سرِ موئے ز خود بینی خود گرد بتاں بینی
محالست اینکہ مینخواہی ازاں کافر اماں بینی
بر آتش میزنی خود را در آتش گر اماں بینی
گریزی از سعادت گر سعادت را زیاں بینی
ہمائے اوج راحت را کجا در آشیاں بینی
بایں آلودگی از آتش دوزخ اماں بینی
سرِ اخلاص خود را زیرِ دستِ آشیاں بینی
کہ شاید بے حجابِ دستِ روئے آستاں بینی
بقا را در بدن یابی فنا را ترک جاں بینی
کہ چوں منصور سر را بر سرِ دار زیاں بینی
فضائے قلعۂ محنت بہ از باغ جناں بینی
دلت را در طوافِ کعبہ روحانیاں بینی
برائے تختہ ہستی مکاں در لامکاں بینی
ازیں آتش جہاں اندر جہانی خانماں بینی
وجود پشہ را کمتر از فیل دماں بینی
بہر مجلس زواعظ انتقامش در زیاں بینی
طلوعِ عمر را بر فرقدانِ فرقداں بینی

ہوائے وصل تو دارند دائم دوستان تو — تو روئے دشمنانت را بزعم دوستاں بینی

دلم دیوانہ میگردد چو میبینم ترا غمگیں — چہ خواہد شد ترا گر جانب مہرباں بینی

توئی سلطان بیداد و منم مظلوم سرگرداں — تو خورشید جہاں باشی مرا خفاش جاں بینی

غرض اینست چشمم را ز خوناب جگر خوردن — کہ در ہر قطرۂ اشکے بہار ارغواں بینی

دریں شیون حزن ہرگز تو از خونریزی دل گرو — بچشم امتحاں گر سوئے گلزار جہاں بینی

خود را خاک بر سر کن کہ رسوائے جنوں گردد — جنوں را تاج بر سر نہ کہ کام دل ازاں بینی

بدرد مفلسی خو کن مشو شرمندۂ ہمت — ملایک را اگر بر خوان حاتم میہماں بینی

ہوائے راحت ار داری بروں از دور عالم شو — محالست آنکہ در عالم تو راحت گہ چناں بینی

بزم دوست یا دشمن شگفتہ ہمچو گل بنشیں — غبار خاطرے ہرگز ز ابنائے زماں بینی

عبث سرگشتہ وادی شد آں مجنون بیچارہ — طلبگار محبت را مکاں در لامکاں بینی

من از دل داغ میخواہم تو دل از داغ میخواہی — من آتش در دخاں بینم تو در آتش دخاں بینی

نہ واقف تو از راز نہان عالم بالا — ازاں ایں پرتو خورشید را در آسماں بینی

در و گوہر ز بزم خویشتن بر یکدگر باشد — بچشم تہنیت روزے اگر در بحر و کاں بینی

تو از ملک خراسانی با صطرخ ار وطن داری — بخواب شب اگر در دو غم ہندوستاں بینی

ہوائے عافیت داری قدم در راہ خست نہ — کہ ہر خار کف پا را درفش کاویاں بینی

ز نور دیدہ اے چشم طلب بگذار اگر خواہی — رخ آئینۂ مقصود و اسرار نہاں بینی

مرو در کشور ظلمت کہ بس امر محال است ایں — کہ حسن رومیاں را در نقاب زنگیاں بینی

نہاں در موجۂ دریا ترا جویندہ غواصاں — تو میخواہی کہ بے ملاح خود را بر کراں بینی

پرید از آشیاں زندگانی طائر عمرت — تو چوں صیاد نابینا بزیر آشیاں بینی

ندارد طاقت دیدار حسن یار ہر دیدہ
ہمان بہتر کہ این آئینہ را در عکس آن بینی

ز ہمت گر پرد بالے کشائی در چمن بلبل
بہار صد گلستان را نہان در یک فغان بینی

برو آئینہ دل را بآب دیدہ صیقل کن
کہ احوال دو عالم را دران یکیک عیان بینی

ز تیر غمزۂ جادو بگرداں گوشۂ ابرو
کہ عمر جاودانی در خدنگ این کمان بینی

مکیدن چند چون طفلان سر پستان کلفت را
تو شیر عافیت در سینہ دوشیزگان بینی

مطلع ثانی

چہ دیدی نفع در شادی کہ داغش بوستان بینی
چہ نقصان دیدۂ از غم کہ بستانش خزان بینی

چراغ دیدہ روشن کن در این بستان سرا دل
کہ خون چشم بلبل را بہار ارغوان بینی

جرس را بہر او گو ان چہ از نالہ اثر یابی
شتر آہستہ تر سیران کہ چون محمل گران بینی

بہ نفرت آشنا گردی بعیب خود شوی بینا
بچشم دل اگر در روزگار مردمان بینی

کشے در دیدہ ہمت اگر دارو بینائی
درون پردۂ وحدت ہمہ نقش جہان بینی

نہ بینی غیر رسوائی نہ یابی حرف دانائی
اگر در صفحۂ جز دوی کتاب عالمان بینی

چو مجنون رو بوادی کن نہ در دہر آشفتگی
کہ با دلبر درین وادی عنایت ہمعنان بینی

بر از پردۂ دانش در آ از رخت و رنگ بینش
کہ در ہر گوشۂ خلوت صد اسرار نہان بینی

اگر چشم تماشا از نقاب از چہرہ بر داری
متاع دین و دنیا ہمہ یا بیش ارزان بینی

اگر دانی چہ میگوید تبود در وقت گفتارش
زبانش را سراسر دل دل او را زبان بینی

لباس فقر پوشیدن ترا وقتے سزاوار است
کہ دلق کہنہ پوشان را نقاب آسمان بینی

بیرویت گردش گردون و رانده نکشاید
اگر دانشوری باید کہ بہبود اندران بینی

سر سرافتنهٔ داری بیازار جهاں باید
رواج این دکان را مختصر در نقد جاں بینی

بسادا مفلسی چیں پر کن بساغ عشرت
اگر خواهی که پیران را درین عیش جوان بینی

بزور سعی پیدا کن درین هنگام ناکامی
که چون دشمن شوی با خود عدو را مهربان بینی

ندیده لجه طوفاں نخورده لطمهٔ دریا
اگر کشتی نشین باشی تو شان بادبان بینی

بیا از دیدهٔ عبرت تماشاے گلستاں کن
که دست هر بهاری را در آغوش خزاں بینی

شب تاریک بیم موج دریا شوق بے قوت
بایں رفتار میخواهی که از مقصد نشاں بینی

گذشت هنگام شب گیر و بر آمد آفتاب آهنگ
درین مقصد بپایان تو راه کارواں بینی

بهم بر زن تعلق را و چوں مجنوں بیکسو شو
ز شور و شر اگر خواهی که خود را در اماں بینی

چه خواهی دید از اں بر و چه خواهی یافت از چشماں
که ناز حسن او را حسن ناز ترجماں بینی

جوانی رفت و پیری رفت و خود هم میروی آخر
هنوز اے دیدهٔ حسرت بسوے این و آں بینی

هوا دودمان تا کے درین منزل سراسیمه
درائی چوں درین منزل چراغ دودماں بینی

سرشت گردم چه خواهد شد اگر در ره استغنا
ز ابرو گوشهٔ چشمے بسوے مخلصاں بینی

جوے دانش اگر داری زبان رکام خیر کش
ز دست این زباں تا کے زیان مال و جان بینی

بخلوت خانه بیجان تو بے منت شوی محرم
در آں مجلس اگر خود را تو از نامحرماں بینی

اگر از پردهٔ غفلت برائی همچو مغز از پوست
گلستان حقیقت را جهان اندر جهاں بینی

بیاد رفتگاں یکره بگورستاں نگاهے کن
که تا از چشم ایشاں آب حسرت را رواں بینی

هوائے نفس سگ را خود حیات بیخبر دارد
که خط مغز را در عکس روے استخواں بینی

مشو دل شاد اے مخفی ز مرگ دشمنان خود
بیاد آور از اں روزے که خود را درمیاں بینی

قطعہ تاریخ

از شاعر شیریں مقال نازک ناظم خیال ماہر خفی و جلی جناب مولوی پارس علی صاحب - علی - خلف الصدق جناب مولوی فرید الدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ

چو زیب النساء را سوانح نوشت

خلیق خردمند و فرخندہ رائے

علی بہر سالش سروشم بگفت

۱۳ ۱۵ ھ

حیاتے دگر یافت زیب النسائے